ماہنامہ
قلندر شعور
اگست ۲۰۲۵ء
سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا
نانا تاج الدینؒ
شہنشاہ ہفت اقلیم
سائے بَن کی رات میں بَن باسی بن جائیں
داس ملوکا ساتھ میں جاگیں اور لہرائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَب رَاضی
سَب رَاضی

جلد 13 شمارہ 7 | اگست 2025ء | صفر ــ ربیع الاوّل 1447ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور

کراچی

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 140 روپے.....سالانہ ہدیہ 2100 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 75 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 6912020 213(0) 92+

۲۸ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ــــــ بدرؔ سا گری 6

نعت رسول مقبول ﷺ ــــــ حضرت ذہینؔ شاہ تاجیؒ 7

رباعیات ــــــ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ 8

آج کی بات ــــــ مدیر مسئول 10

فقیر کی ڈاک ــــــ ادارہ 16

نامے میرے نام ــــــ خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ 18

جو کچھ میں نے کہا، اسے سمجھو! ــــــ گُلِ نسرین 24

داس ملوکا ــــــ (M.A.Mass Comm) عائشہ خان 29

اندر میں کیا ہے۔؟ ــــــ فضیلت فخر 33

شرح نظریۂ رنگ و نور | آدمی لباس ہے ــــــ خواجہ شمس الدین عظیمیؒ 37

تلاش کیجئے ــــــ (M.Phil.Supply Chain) بلال حسن 43

فاسفورس کا شعور ــــــ فرزانہ پرویز 47

سلطان۔؟ ــــــ (M.A.Fine Arts) حامد ابراہیم 53

حضرت انسان علی شاہؒ ____ محمد عثمان 59

مثنوی مولانا رومؒ | وہ چمن کہاں ہے—؟ ____ مترجم: قاضی سجاد حسین 65

70ہزار پرت ____ (M.A.IR) نادیہ افتخار 73

جون 2025ء کے سرورق کی تشریح ____ قارئین 78

برفانی دنیا کا بادشاہ ____ سندس رشید 81

احساس کا عکس ____ (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 87

دانت اور زنبور ____ کنہیالال کپور 93

مچھلیوں کی بارش ____ خورشید احمد 99

کورشِ اعظم ____ (M.Sc. Applied Physics) محمد عدنان خان 107

اقتباسات ____ خواتین و حضرات 113

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ____ عظیمی خواجہ شمس الدینؒ 115

124 Shakeela Bukhari ____ Beyond Fairies and Superheroes

127 Bibi Anuradha (UAE) ____ The Inner Voyage

131 A Disciple ____ A Vision Unclouded by Illusion

136 K. S. Azeemi ____ Message of the Day

حمد باری تعالیٰ

بدرؔ ساگری

قادرِ مطلق ہے تو پروردگار
کُل جہانوں پر ہے تیرا اقتدار
یہ شفق، یہ ابر، یہ فصلِ بہار
ہیں تری صنعت کے رنگیں شاہکار
کررہے ہیں حمد تیری روز و شب
یہ مہ و خورشید، یہ لیل و نہار
غنچہ و گُل پر بھی ہے تیرا کرم
تیری رحمت کے ثنا خواں برگ و بار
جس طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھیے
فضل تیرا ہے بہر سو آشکار
یہ زمین و آسماں، کون و مکاں
تیری قدرت سے ہے ان سب کو قرار
جسم میں جاں اور نظر میں روشنی
جلوۂ قدرت کی ہے آئینہ دار
یا الٰہ العالمیں! تیرا کرم
مانگتے ہیں ہم تجھی سے بار بار
دو جہاں میں تیرے احسانات کا
کر نہیں سکتا ہے کوئی بھی شمار
حمد کی توفیق پر کیوں خوش نہ ہو
بدرؔ عاجز بندۂ بے اختیار

نعت رسول مقبول ﷺ

حضرت ذہینؔ شاہ تاجیؒ

ادب کہتا ہے سر کے بَل چلو، راہِ مدینہ ہے
حریمِ شاہِ دیں، شاہِ عرب، شاہِ مدینہؐ ہے

خدا نے جن کو آنکھیں دیں، یہاں آنکھیں بچھاتے ہیں
جو اہلِ دل ہیں، اپنے دل کو فرشِ رہ بناتے ہیں

بچھی ہیں اولیا اللہ کی پیشانیاں جس میں
مجھے وارفتگیِ شوق لائی کس کی مجلس میں

ملائک سر جھکائے باادب ہر سمت اِستادہ
یہاں کا ذرّہ ذرّہ عرش پروردۂ فلک زادہ

مدینے کی بہاروں سے دو عالم میں بہار آئی
ازل سے تا ابد شاہِ مدینہؐ کی ہے دارائی*

جبینِ مہر و مہ خم ہے، انہیں کے آستانے پر
انہیں سے ہے نزولِ رحمتِ باری زمانے پر

*دارائی (فرماں روائی، حکومت)

اے میرے محبوب!

ساقی ترے قدموں میں گزرنی ہے عمر
پینے کے سوا کیا مجھے کرنی ہے عمر
پانی کی طرح آج پلا دے بادہ
پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”کہہ دو، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا
سب اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے۔“ (الانعام: ۱۶۲)

حضور قلندر بابا اولیاؒ اس رباعی میں فرماتے ہیں کہ عارفوں کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف شرابِ معرفت کی لذتوں سے بہرہ ور ہونا ہے یا خالقِ کائنات کی مشیّت پر عمل درآمد کرنا ہے۔ اس کی اللہ تعالیٰ سے یہی چاہ ہے کہ اسے معرفت کا اعلیٰ درجہ عطا فرمایا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر راضی برضا رہنے اور عمل درآمد کرنے کی توفیق عطا فرمائی جائے۔ زندگی کے محدود عرصے میں اگر اس مقصد کی تکمیل نہ ہوسکی تو سب کچھ رائیگاں جائے گا اور زندگی جو لمحہ بہ لمحہ ترتیب سے وقوع پذیر ہو رہی ہے، پانی کی طرح بکھر جائے گی اور اسے کسی طرح سمیٹا نہ جاسکے گا۔

اے میرے محبوب! شرابِ معرفت سے سرشار کرنے والے میرے ساقی! میری زندگی تیرے اوپر نثار ہے۔ خود کو تیری دید کے علاوہ کسی اور مصرف میں لانا ہی نہیں چاہتا۔

اے میرے محبوب! اپنے عرفان کی شراب میرے اوپر اتنی عام کردے کہ میں جتنی چاہوں، پی لوں، جتنی مجھے طلب ہے تو مجھے اس سے بھی زیادہ عطا کردے۔

اے میرے محبوب ساقی! میری سانسیں جب پوری ہو جائیں گی تو میرے جسم کا پیالہ بھی پانی کا ایک ایک قطرہ بن کر فضا میں تحلیل ہوجائے گا۔

آج کی بات

(مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ کا20سال پہلے آدم ڈے 2005ء کے موقع پر پاکستان، برطانیہ اور دیگر ممالک کے خواتین و حضرات سے آن لائن خطاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

خواتین و حضرات اور حاضرین! میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ آپ تشریف لائے۔ میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

یہ ساری دنیا ایک کہانی ہے۔ چھ ارب* انسان اس دنیا میں آباد ہیں اور چھ ارب کہانیاں مسلسل چل رہی ہیں۔ ہر آدمی یہاں ایک کہانی ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے اور پھر اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ جب وہ پیدا ہوتا ہے، کہانی شروع ہوتی ہے۔ اور جب وہ مرتا ہے، ڈراپ سین ہو جاتا ہے ..... سارا ڈراما ختم ہو جاتا ہے۔

جب یہ دنیا نہیں تھی اور اس دنیا کی طرح کروڑوں دنیائیں نہیں تھیں، اس وقت اللہ نے اس دنیا کو بنانے کا ارادہ کیا۔ جب دنیا بن گئی تو اس کا انتظام اور ایڈمنسٹریشن کا نظام بھی بنا۔ اس ایڈمنسٹریشن کو چلانے کے لئے لوگوں کا انتخاب ہوا اور یہاں حکمرانی قائم ہوئی۔

جب گورنمنٹ ہوتی ہے تو اس کا اسٹاف بھی ہوتا ہے۔ اسٹاف کے لئے خالقِ کائنات اللہ نے فرشتوں کو بنایا اور زمین کا انتظام اللہ نے جنات کے سپرد کر دیا۔ جنات کو جب یہ حکومت اللہ تعالیٰ نے دی تو ان سے یہ فرمایا کہ زمین پر فساد نہیں کرنا۔

* سال 2025ء میں دنیا کی آبادی ساڑھے سات ارب سے تجاوز کر چکی ہے۔

جنات نے زمین پر فساد پیدا کر دیا۔ ہر طرف خون خرابا ہو گیا — ہر طرف لوگوں کو پریشانی ہو گئی۔ لوگوں نے دوسروں کو تکلیف پہنچائی۔ جب زمین پر بہت زیادہ فساد ہو گیا تو اللہ نے جنات سے حکومت چھین کر آدمؑ کو حکومت دے دی۔

اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اب تمہارا حاکم آدمؑ ہے۔ آدمؑ زمین کا وزیر اعظم (زمین پر نائب) ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ آدم بھی فساد کرے گا۔

اللہ نے آدمؑ کو ایڈمنسٹریشن کا علم سکھایا اور آدمؑ سے فرمایا کہ ایڈمنسٹریشن کا علم جو تم نے سیکھا ہے، وہ فرشتوں کو بتاؤ۔ آدمؑ نے جب ایڈمنسٹریشن کا علم فرشتوں کے سامنے بیان کیا تو فرشتوں نے آدمؑ کی حاکمیت تسلیم کر لی۔

• • ——————— • •

اب آدمؑ کے لئے کوئی رہنے کی جگہ چاہئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے لئے جنت میں جگہ بنائی اور آدمؑ اور حوّاؑ دونوں سے فرمایا، تم جنت میں رہو اور خوش ہو کر کھاؤ پیو۔ جنت میں ایک درخت ہے، اس درخت کے پاس نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتے تھے کہ آدمؑ کتنا obedient ہے، کتنا فرماں بردار ہے۔ آدمؑ اور حوّاؑ اس درخت کے قریب چلے گئے۔

جب تک آدمؑ اس درخت کے قریب نہیں گئے، اس وقت تک ان کے اندر یقین تھا اس لئے کہ انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی — اس لئے کہ انہوں نے کوئی نافرمانی نہیں کی تھی لیکن جب وہ درخت کے قریب چلے گئے تو ان کے دماغ میں یہ بات آئی کہ مجھ سے نافرمانی ہو گئی۔

جیسے ہی آدمؑ کے دماغ میں یہ بات آئی کہ مجھ سے نافرمانی ہو گئی ہے تو آدمؑ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اب اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ جیسے ہی ذہن میں یقین کی جگہ شک آیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جنت سے زمین پر اتر جاؤ۔

آدمؑ جب جنت میں تھے، وہاں خوب صورت باغ تھا، بہت بڑا..... بگ ہاؤس تھا۔ پھول

تھے، پھولوں کے جو رنگ تھے، وہ رنگ روشنی کی طرح چمکتے تھے، اس میں آبشاریں تھیں، نہر تھی اور پھل تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ آدمؑ کا جب دل چاہتا تھا کہ میں سیب کھاؤں، سیب ٹوٹ کر ان کے ہاتھ میں آجاتا تھا۔ آدمؑ کو درخت کے پاس جا کر سیب توڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔

جنت میں خوب صورت پرندے تھے۔ جنت میں سکون تھا، peace تھا، خوشی تھی۔ جنت میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ جب آدمؑ زمین پر اترے تو ان کو بھوک لگی لیکن کھانے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ جبرائیلؑ زمین پر آئے۔ آدمؑ سے کہا، اب محنت مزدوری کر کے روٹی ملے گی، جنت کی طرح کھانا نہیں ملے گا۔ جبرائیلؑ نے آدمؑ کو کاشت کرنا سکھایا اور آدمؑ نے اس میں بیج ڈالا اور کھانے پینے کا انتظام ہوا۔

• • ——————— • •

آدمؑ اور حوّاؑ دونوں زمین پر رہتے تھے۔ ان کے بچے ہوئے۔ طریقہ یہ تھا کہ حوّاؑ کے جب بھی بچہ ہوتا تھا، دو ہوتے تھے۔ Twins بچے ہوتے تھے۔ ایک لڑکی، ایک لڑکا۔ شادی ایسے ہوتی تھی کہ جو لڑکی بعد میں ہوتی تھی، اس کی پہلے پیدا ہونے والے لڑکے سے شادی کر دی جاتی تھی۔ پھر دو بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا اور ایک بھائی نے کہا، جو بہن میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے، مجھے اس کے ساتھ شادی کرنی ہے۔ جب وہ شادی نہیں ہوئی تو ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا۔ اب دو گروپ بن گئے۔ ایک فساد اور خون خرابا کرنے والا اور ایک امن سے رہنے والا۔ یہ امن اور فساد آدمؑ کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ فساد والے وہ لوگ ہیں جس بھائی نے قتل کیا تھا، اس کا گروپ ہے — اور امن اور شانتی سے رہنے والے وہ لوگ ہیں جو دوسرے بھائی کے گروپ سے ہیں۔

• • ——————— • •

جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، آدمؑ کی اولاد پھیلتی رہی۔ کوئی ٹھنڈی جگہ پیدا ہوا، اس کا

رنگ گورا ہو گیا۔ اور جو آدمی گرم علاقے میں پیدا ہوا، اس کا رنگ کالا ہو گیا لیکن زمین پر آدمؑ کی جتنی اولاد ہیں، ان سب میں تقاضے ایک سے ہیں۔ آدمی کالا ہو یا گورا ہو، ماں سے پیدا ہوتا ہے۔ آدمی چھوٹے قد کا ہو، بڑے قد کا ہو، ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ کوئی گورا آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں افضل ہوں اس لئے کہ میری پیدائش دوسرے طریقے سے ہوئی ہے اور کوئی کالا آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں superior ہوں اس لئے کہ میری پیدائش مختلف طریقے سے ہوئی ہے۔

ہر آدمی جو پیدا ہوتا ہے، ماں کا دودھ پیتا ہے۔ جتنے بھی بچے پیدا ہوتے ہیں، ماں باپ ان کی پرورش کرتے ہیں، ان کو پڑھاتے ہیں، لکھاتے ہیں، ان کو بہتر انسان بناتے ہیں۔ جب آدمی کے اندر یہ بات پیدا ہوئی کہ میں اچھا ہوں، دوسرا برا ہے، اس وقت سے زمین پر فساد شروع ہو گیا۔

جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں، ان کے مطابق یہاں وہ آدمی اچھا ہے جس کے اندر رحم ہے، محبت ہے اور peace ہے۔ اور ہر وہ آدمی برا ہے جس کے اندر نفرت ہے، جس کے اندر غصہ ہے اور جس کے اندر بغاوت ہے۔ اس بات کو سمجھانے کے لئے کہ اللہ اچھے آدمی کو پسند کرتا ہے، اللہ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ سب نے ایک ہی بات کہی کہ رحم کرنا، محبت کرنا اچھی بات ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، خاتم النبیین حضرت محمدؐ — جب ان کی تعلیمات ہم پڑھتے ہیں تو سب نے ایک ہی بات کہی ہے۔

• • ——————— • •

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے، اللہ ہی پینے کو دیتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب آدمی ماں کے پیٹ میں آتا ہے تو پہلے دن سے

نو مہینے تک وہ کھانا کھاتا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد سوا دو سال تک وہ ماں کا دودھ پیتا ہے۔ 16 سال کی عمر تک وہ کوئی کام نہیں کرتا۔ اس کی پرورش اس کے ماں باپ کرتے ہیں۔ 16 سال کی عمر اتنی بڑی عمر ہے کہ اس کو تجربہ ہو جاتا ہے کہ جب انسان کوئی کام نہیں کرتا تب بھی اللہ رزق دیتا ہے۔ زندہ رہنے کے لئے جو بنیادی ضروریات ہیں، وہ ہمیں مفت ملتی ہیں۔ ہوا — ہم ہوا کا کوئی پیسہ نہیں دیتے۔ پانی — ہم پانی کا کوئی پیسہ نہیں دیتے۔ گورنمنٹ ٹیکس لیتی ہے، اللہ کوئی ٹیکس نہیں لیتا۔ آکسیجن کے بغیر کوئی آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر ایک دن کے لئے آپ آکسیجن کا سلنڈر لیں تو آپ کو بہت پیسے خرچ کرنے پڑیں گے لیکن جب اللہ آکسیجن دیتا ہے تو باہر بھی دیتا ہے، گارڈن میں بھی دیتا ہے، کمرے میں بھی دیتا ہے، سوتے میں بھی دیتا ہے، جاگتے میں بھی دیتا ہے۔

اللہ بارش برساتا ہے۔ تحقیق و تلاش (سائنس) نے بہت ترقی کی ہے لیکن بارش نہیں برسا سکی۔ سائنس نے بہت ترقی کی ہے لیکن ہوا نہیں بنا سکی۔ سائنس نے بہت ترقی کی ہے لیکن دل نہیں بنا سکتی۔ دل کا آپریشن کر سکتی ہے، دل نہیں بنا سکتی۔ سائنس نے بہت ترقی کی ہے لیکن سائنس دماغ نہیں بنا سکتی۔

جب اللہ کا اور بندے کا رشتہ ہم دیکھتے ہیں تو ایک بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ ماں کی طرح بندے سے محبت کرتا ہے۔ جس طرح ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے، اس کی حفاظت کرتی ہے، اللہ اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

•• ———— ••

حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی جب ہم تعلیمات دیکھتے ہیں تو وہ سب ایک ہی بات کرتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اور مخلوق بہت ساری ہے۔ آسمانی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں — بائبل، تورات، زبور، قرآن کریم — یہ بتاتی ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ مخلوق اللہ کی محتاج ہے۔ مخلوق اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ اگر مخلوق اپنی

مرضی سے پیدا ہوسکتی تو ہر آدمی بادشاہ کے ہاں پیدا ہوتا۔ کوئی آدمی غریب کے ہاں پیدا نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک باپ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بچے خوشی کے ساتھ رہیں، ایک دوسرے سے لڑیں نہیں، اسی طرح تمام پیغمبروں نے کہا ہے کہ آپس میں لڑو نہیں لیکن آدمی آپس میں محبت سے نہیں رہتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ہم آدمی کو یہ جانتے ہیں کہ ایک فزیکل باڈی کا نام ہے لیکن ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو فزیکل باڈی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن آدمی مرجاتا ہے۔ آنکھ بھی ہوتی ہے، ہاتھ بھی ہوتے ہیں، پیر بھی ہوتے ہیں لیکن اس میں حرکت نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فزیکل باڈی کو چلانے والی کوئی ایجنسی ہے اور وہ ایجنسی روح ہے۔ کوئی آدمی — تمام آدمی اگر مرجائیں تو وہ بات نہیں کرسکتے۔ کیوں؟ روح اس جسم کو چھوڑ دیتی ہے۔ کوئی مردہ آدمی شادی نہیں کرسکتا۔ کسی مردہ آدمی نے بچہ پیدا نہیں کیا۔ کوئی مردہ آدمی کھانا نہیں کھاتا۔ کبھی آپ نے دیکھا ہے، کسی مردہ آدمی نے روٹی کھائی ہو؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی فساد اس لئے کرتا ہے کہ وہ فزیکل باڈی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ آدمی اس بات کو سمجھ لے کہ یہ فزیکل باڈی روح کے تابع ہے۔

انسان دو طرح زندگی گزارتا ہے۔ ایک بیداری میں، ایک خواب میں۔ جب وہ خواب دیکھتا ہے تو اس کے اندر سے ایک آدمی نکلتا ہے۔ وہ آدمی چلتا ہے، پھرتا ہے۔ اگر اس کو کوئی چیز کاٹ لے، اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اگر کوئی دوست ملے تو خوش ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اس جسم کے علاوہ بھی خوش رہ سکتا ہے — اور وہ روح ہے۔

ہم جب اس دنیا سے جاتے ہیں تو ہماری روح نکل کر جاتی ہے اور روح سے واقف ہونے کے لئے صوفی لوگوں نے مراقبہ (Meditation) بتایا ہے۔ میڈی ٹیشن یہ ہے کہ آدمی آنکھیں بند کرکے اپنے اندر دیکھے — اپنے انر میں دیکھے۔ یہ ایک پریکٹس ہے۔

فقیر کی ڈاک

تفکر — ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ تفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی — عرفانِ نفس اور معرفتِ الٰہی ہے۔ ”فقیر کی ڈاک“ اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ نے شعور کے تانے بانے کو لاشعور سے جوڑ دیا ہے۔

محترم عظیمی صاحب — السلام علیکم و رحمۃ اللہ،

میں نہ چاہتے ہوئے بھی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ ایک صاحبہ میرے خوابوں میں آنے لگی ہیں اور خواب اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ میں دن بھر اس سے نجات نہیں پا سکتا اور اسی کے خیال میں محو رہتا ہوں۔ کوئی ایسا عمل بتائیے کہ میں ان خیالات سے چھٹکارا حاصل کر لوں۔ اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو ساتھ میں اس بات کی توجیہ بھی کیجئے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

شکریہ، نسیم حیدر (اٹک)

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ،

انسان کی حیاتی ساخت تین گراف پر مشتمل ہوتی ہے۔

- پہلا گراف لامتناہیت سے براہِ راست ارتباط رکھتا ہے۔
- اس کے بعد گراف نمبر ۲ کو قریب ترین الفاظ میں لاشعور کہتے ہیں۔
- اور اس سے تیسرا گراف پیوست ہوتا ہے جس کو عرفِ عام میں شعور کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ (شعور) دماغ کی وہ اسکرین ہے جہاں ہر چیز، ہر حرکت، منظر، ہر خیال، ہر ایک تجربہ یہاں

تک کہ ہر بات جو حیات کے اجزا پر مشتمل ہو، ٹیپ (tape) ہوتی ہے۔ اِس دور کی اصطلاحات میں اسے ریکارڈ کہہ سکتے ہیں۔ مظاہرے میں صرف وہ چیزیں نظر آتی ہیں، محسوس ہوتی ہیں اور چکھی جاتی ہیں جو اس گراف میں ریکارڈ ہوتی ہیں۔

اس گراف کا پس منظر ایک بہت بڑا ذخیرہ ہوتا ہے۔ جب ضرورت ہوتی ہے تو اس ذخیرے میں سے کوئی چیز گراف کی اسکرین پر آجاتی ہے۔ عام طور سے ہم اس عمل کے بارے میں کہتے ہیں، 'ہمیں یاد آگیا ہے، فلاں کام اس طرح ہوا تھا، فلاں بات اس طرح ہوئی تھی'۔

اس گراف میں دو سوئچ ہوتے ہیں۔

ایک سوئچ گراف نمبر۲ کے دباؤ سے آن (ON) ہو جاتا ہے۔

اس کے ON - OFF ہونے کا تعلق انسان کے اپنے ارادے سے قطعاً نہیں ہوتا۔

دوسرا سوئچ انسان کے اپنے ارادے سے ON ہوتا ہے۔

آپ کی موجودہ ذہنی کیفیت یہ ہے کہ کسی وقت گراف نمبر۳ کی قوت کم ہو جاتی ہے جس سے گراف نمبر۲ کا پریشر بڑھ جاتا ہے۔ غیر ارادی سوئچ ON ہو جاتا ہے اور اضطراری نقوش اسکرین پر آجاتے ہیں۔ سونے کی حالت میں وہی خواب بن جاتے ہیں اور جاگتے میں خیال گراف نمبر۳ کی قوت، نمک کی مقدار ڈیڑھ گنا کم کرنے سے بڑھ جائے گی — وہ گراف نمبر۲ کے پریشر سے مغلوب نہیں ہوگا اور آپ کی تکلیف دور ہو جائے گی۔

دعا گو، عظیمی

نوٹ: نمک کی مقدار اپنے معالج کے مشورے سے کم کریں۔ (ادارہ)

اتنے بڑے مربوط اور منظم انتظام کے ساتھ نگہداشت اور نگہبانی کا منشا صرف یہ ہے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندے کے ذہن پر یہ بات منکشف ہو جائے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو محبت کے ساتھ پیدا کیا۔ جس طرح اللہ نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا، اسی طرح مخلوق بھی محبت کے ساتھ اللہ کی قربت حاصل کرے۔ (کتاب: پیراسائیکالوجی)

نامے میرے نام

"ماہنامہ قلندر شعور" نے قارئین خواتین و حضرات کو رسالے کے پلیٹ فارم سے تفکر کی دعوت دی ہے۔ رابطے کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط شائع کئے جا رہے ہیں۔ ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" کا قارئین کے تفکر سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

جون 2025ء کے "آج کی بات" پر موصول تفکر نامے میں سے منتخب خطوط:

◇ ثنا امتیاز (ابوظہبی): ہم فاصلے میں الجھے ہوئے لوگ ہیں۔ وقت کو فاصلوں میں ناپ کر قربت کی اسپیس کی نفی کرتے ہیں۔ الحمدللہ، مرشد کریم اباجی (حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ) نے "آج کی بات" کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ یہ اباجی کی آواز ہے۔ پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم ان کی تحریروں میں کائناتی قوانین کو سمجھ کر ان کے ساتھ رہیں۔

◇ احمد رضا (کراچی): محترم عظیمی صاحبؒ کی تحریریں رموز ہیں جو قدرت خاص بندوں پر آشکار کرتی ہے۔ زمین پر ہمارا چلنا محض جسمانی حرکت نہیں ہے بلکہ اس حرکت کے تار ذہن (شعور) سے جڑے ہوئے ہیں۔ قدموں کی حرکت ذہن کی حرکت ہے اور ذہن — شعور کا ترجمان ہے۔

◇ مریم نور (اسلام آباد): زمین اور قدموں کے درمیان جو ترتیب بنتی ہے، یہ ذہن میں موجود خلا کی ترتیب ہے۔ تقسیم شدہ ذہن حرکت کے لئے جسمانی اعضا کا پابند ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہاتھ پیر چل رہے ہیں — یہ ذہن ہے جو ہاتھ پیر کو حرکت دیتا ہے۔ ذہن کو چلانے والی بھی کوئی ہستی ہے۔ محترم عظیمی صاحبؒ ہمیں بار بار اس نکتے کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اگر ذہن تقسیم نہ ہو تو سفر قدموں کے بغیر بھی طے ہوتا ہے جیسے خواب کی دنیا۔

◇ یاسین یوسف (سکھر): اللہ کی فرماں برداری ہمیں جنت کی اسپیس میں داخل کر دیتی ہے۔

◈ محمد زبیر (کراچی): ''آج کی بات'' کی یہ سطر کائناتی نظام کی تشریح ہے کہ ''اسپیس ایساڈائی مینشن ہے جو خالی پن کو دوری کی شکل دے کر اس کے گرد خول بنالیتا ہے۔'' یہ پڑھ کر خود سمیت جس کو دیکھا، سب خول نظر آئے۔ چاہے وہ پہاڑ ہو، سڑک ہو، گاڑی ہو، پرندے ہوں، الماری ہو، میز ہو، مناظر ہوں۔ ہم نے خول کو حجم کے لحاظ سے مختلف نام دے دیے ہیں۔

◈ زینب قیوم (شہر کا نام نہیں لکھا): سورج اپنے محور پر گھوم رہا ہے۔ زمین، سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ ان دونوں میں نسبت کو دیکھنے کے لئے جو چیز بدل رہی ہے، وہ ہماری سوچ، تجربہ اور ان کی تشریح ہے۔ رات دن کا نظام زمین کی گردش سے وابستہ ہے۔ زمین کی گردش اور ہماری کسی خاص حصے میں موجودگی، زاویے بناتی ہے اور ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ مسئلہ یہاں پر ہے کہ ہم جسمانی اور ذہنی طور پر کہاں کھڑے ہیں اور وہاں سے کیا دیکھ رہے ہیں۔

◈ عثمان شہباز (سیالکوٹ): وقت گھڑی کی سوئیوں سے نہیں، اندرونی حرکات سے جڑا ہوا ہے۔ گھڑی کی سوئیاں فکشن شعور کی تسکین کے لئے ہیں کہ دیکھو! ہم وقت سے واقف ہیں۔ وقت اپنی طرزوں میں لامحدود ہے۔ لامحدود کو محدود دیکھنا فریبِ نظر ہے۔

◈ عمر خالد (شارجہ): رات اور دن کو منور کرنے والی روشنی ایک ہے جس سے واقف ہو کر ہم وقت اور فاصلے کی شعوری تقسیم سے آزاد اور timelessness سے متعارف ہو سکتے ہیں۔

◈ اقرا علیم (ملتان): بہت آسان الفاظ میں رات دن کے نظام کو بیان کیا ہے۔ ہم زمین کے سورج سے دور یا قریب ہونے کو دیکھتے ہیں اور اسی کو رات یا دن مان لیتے ہیں مگر اس بارے میں نہیں سوچتے کہ سورج کو روشنی کہاں سے ملتی ہے؟ جیسے چراغ یا دِیا جلتا ہے، ہم اس کی روشنی کو سطحی طور پر دیکھتے ہیں۔ تیل اور تیل کے جلنے کے نظام پر غور نہیں کرتے۔

◈ زاہد اقبال (پشاور): محدود ذہن تقسیم، فاصلہ اور نام کے ذریعے شناخت کرتا ہے اس لئے خلا اور مشترک قدروں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ مثلاً جب ہم اوپر دیکھتے ہیں تو ستاروں کے درمیان ''خالی جگہ'' کو آسمان سمجھتے ہیں۔ یہ جگہ جسے ہم خالی دیکھتے ہیں، ہر شے میں ربط کا ذریعہ ہے۔

◇ شہریار (کراچی): سائنس کے طالب علموں کو خصوصیت کے ساتھ ”آج کی بات“ پڑھنی چاہئے۔ ”ماہنامہ قلندر شعور“ چوں کہ لامحدود طرزوں کو بیدار کرتا ہے اس لئے وضاحت کردوں کہ سائنس کے طالب علموں سے میری مراد ہر وہ طالب ہے جو کائنات کو جاننے کی جستجو رکھتا ہے۔ اداریہ میں لکھا ہے کہ ”زمین کا وہ حصہ جہاں ہم رہتے ہیں، سورج سے دور ہوتا ہے تو سورج میں محسوس ہونے والی تپش اور چمک کہاں چلی جاتی ہے؟ کیا اس سے ظاہر نہیں ہے کہ سورج روشن نہیں ہے، زمین روشن ہے—؟“ اسے تفصیل سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ ادارہ تعاون کرے گا۔

● محترم عظیمی صاحبؒ کی کتاب ”خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ، جلد دوم“ کے باب ”تابع فرمان سورج“ کا مطالعہ کیجئے۔ (ادارہ)

◇ نرگس بانو (سرگودھا): زمین کی گردش، سورج اور دن رات کے تعلق کو بیان کرکے آپ نے ساڑھے سات ارب آدمیوں کے شعور کو جھنجوڑا ہے۔ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، یہ سب تقسیم کا زاویہ ہے جو جنت میں نافرمانی کی وجہ سے نظر بن کر منظر بن رہا ہے۔

جون 2025ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

◇ ثمینہ مقصود (فیصل آباد): ”ماہنامہ قلندر شعور“ جون 2025ء کے شمارے میں ”شرح نظریۂ رنگ و نور“ کے عنوان پر نظر پڑتے ہی دل میں سکون کی لہریں موجزن نظر آئیں۔ ہم قارئین، ادارہ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے مشکور ہیں۔ یہ اللہ کے دوست، حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ کی انسانیت کے لئے ایک بڑی خدمت اور فیض کا جاری و ساری چشمہ ہے۔ مرشد کریم کی ہدایت کے مطابق ہم ان لیکچرز کو سمجھ کر پڑھیں گے اور ڈائری میں نوٹ کریں گے۔

◇ روشن نظیر (راولپنڈی): ”ماہنامہ قلندر شعور“ کی ٹیم نے جس توجہ، انہماک، محنت اور حسنِ تدبیر سے رسالے کو جاری رکھا ہے، وہ قابلِ ستائش ہے۔ بلاشبہ یہ محترم عظیمی صاحبؒ کی محنت اور تربیت ہے۔ رسالہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ جس پیٹرن اور اسلوب کے ساتھ یہ رسالہ پہلے شائع ہو رہا تھا، بعینہٖ اسی طرح شائع ہوتا ہے۔ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کی ٹیم کو بہت مبارک باد۔

◈ کاشف علی (کراچی): حامد ابراہیم نے ”دروازے کے پار کیا کچھ منتظر ہے!“ لکھ کر متوجہ کیا ہے کہ ہم مرشد کریم کے علمی ورثے کی قدر کریں اور عملی مثال بن کر یہ روشنی سب کو پہنچائیں۔

◈ مریم تمیمی (دوحہ، قطر): ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے اردو حصے کی طرح انگریزی حصہ بھی عمدہ ہے۔ مضامین روحانی ہیں اور سائنسی بھی۔ گزارش ہے کہ انگریزی کے صفحات میں اضافہ کر کے ”مرشد کی باتیں“ کو اردو سے ناواقف قارئین کے لئے انگریزی میں شائع کیا جائے۔

◈ فاطمہ ابرار (گلاسگو): ”شرح نظریۂ رنگ و نور“ کی اشاعت پر سب کو مبارک باد۔ عرصے سے اس کلاس کے بارے میں سنتے آئے تھے۔ محترم عظیمی صاحبؒ نے ان لیکچرز کے ذریعے شعور کی آبیاری کی ہے۔ کلاس ”نظریۂ رنگ و نور“ اور ”احسان و تصوف“ کے طالبات و طلبہ کے مضامین پڑھ کر رشک آتا ہے۔ اب یہ لیکچرز رسالے کے ذریعے گھر گھر پہنچیں گے۔ بہت شکریہ۔

◈ لبنیٰ ادریس (لاہور): جون 2025ء میں ”مصروفیت کے رنگ“ بے حد پسند آیا۔ ”360 ڈگری“ میں آئینے کے دیکھنے کے منفرد زاویے بیان ہوئے۔ ”گیارہ ہزار حواس“ میں اکائی تھی۔ ”گم شدہ شہر“ کی کہانی بتاتی ہے کہ تجسس آدمی کو کہاں کہاں لے جاتا ہے۔ ”ایثار کی اسپیس“ میں محترم عظیمی صاحبؒ کے ایک خط کی عمدہ تفہیم ہے۔ ”صدقۂ جاریہ“ ذہن کو خوف سے آزاد کر کے رواں رکھنے کی کاوش ہے۔ ”کورسِ اعظم“ اور ”مثنوی مولانا رومؒ“ اچھے سلسلے ہیں۔ رسالے میں پہلا اور دوسرا مضمون اور ”آپ کے خواب اور ان کی تعبیر“ پڑھتے ہوئے آنکھیں نم رہیں۔

◈ یاسمین گل (فیصل آباد): ”ماہنامہ قلندر شعور“ کا جو مضمون پڑھیں، ماشاءاللہ، ادارے نے مضامین کے معیار کو قائم رکھا ہے۔ جون 2025ء سے حضور مرشد کریم کے کلاس ”نظریۂ رنگ و نور“ کو دیے گئے لیکچرز کی رسالے میں اشاعت کا آغاز ہوا۔ بہت خوشی ہوئی۔ یہ دنیائے تصوف کا عظیم ورثہ اور ”ماہنامہ قلندر شعور“ کی خوش نصیبی ہے۔ سالکینِ روحانیت مستفید ہوں گے، انشاءاللہ۔

آپ کا ہر دلعزیز رسالہ ”ماہنامہ قلندر شعور“ آن لائن مطالعے کے لئے دستیاب ہے۔ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے ڈیجیٹل ایڈیشن کی سبسکرپشن کے لئے ویب سائٹ پر موجود فارم پُر کیجئے۔ ہمارا ویب ایڈریس یہ ہے،
https://qalandarshaoormonthly.online/

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ

عظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور ــــ
روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالبات و طلبہ کے لئے عظیمی صاحبؒ
کی کُتب اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی
نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

بحضور تاجُ الاولیا بابا تاجُ الدّین ناگپوریؒ

یا بابا تاجُ الدّین وَلی، تُم زلفِ نبیؐ، گیسوئے علیؓ
تُم لاڈلے بی بی زہراؓ کے، تُم رُوئے حُسینؓ ابرُوئے علیؓ

پروردۂ نازِ خُدا تُم ہو، سرکردۂ رازِ خُدا تُم ہو
گُل زارِ نیازِ خُدا تُم ہو، خوشبوئے حسنؓ خُوشبوئے علیؓ

اِس دَور کے اندر جانا ہے اِس دَور کے اندر سمجھا ہے
تُم سے ہے جمالِ مُصطفویؐ، تُم سے ہے جَلالِ خُوئے علیؓ

تُم ختمِ رُسُل کا نقشِ قدم، تُم شمعِ عرب تُم شمعِ عجم
تُم سِرِّ خفی و جلی باہم، مہکی ہے تُم سے بُوئے علیؓ

یہ آپ ہی کا تو نواسہ ہے، دریا پی کر جو پیاسا ہے
جلووں کا سمندر دے دیجئے اے بادۂ حق اے جُوئے علیؓ

قلندر بابا اولیاؒ

گلِ نسرین

جو کچھ میں نے کہا، اسے سمجھو!

شہنشاہ ہفت اقلیم فرماتے ہیں،

”ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں، ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے۔ کہنے میں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ و انجم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں، اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں، قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا پھر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرت ناک امر یہ ہے کہ جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔ جو کچھ میں نے کہا، اسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک مفلوج ہے۔“

قارئین! تین مرتبہ پڑھئے۔

تاج الاولیا، تاج الملّت والدّین، تاج الملوک، تاج العارفین، سراج السالکین، شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے بارے میں آپ کے نواسے، وارث اور سلسلۂ عظیمیہ کے امام ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

”نانا تاج الدینؒ جیسی برگزیدہ ہستی ساڑھے تین ہزار سال میں اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی کرم سے پیدا کرتا ہے۔ یہ ساری کائنات چار نورانی آبشاروں پر قائم ہے۔ نانا تاج الدینؒ کی عظمت کا حال یہ ہے کہ نور اور تجلّیات کی ان چاروں آبشاروں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔“

بابا تاج الدین ناگپوریؒ جنہیں قلندر باباؒ سے رشتے کی نسبت سے نانا بھی کہا جاتا ہے، کی ہستی دنیائے روحانیت کا گراں قدر باب اور زرّیں عہد ہے۔ ان کی حیات کا ہر لمحہ چار آبشاروں کے نور سے سیراب ہے — گفتگو، کرامات اور

فیض کا جاری سلسلہ ان نورانی آبشاروں سے تسوید و تجرید اور تشہید و تظہیر ہے یعنی بابا تاج الدینؒ کی حیاتِ مبارک منبعٔ علوم کے عرفان، علوم کے جاری ہونے کا نظام، نظام کا مشاہدہ اور مشاہدے کا مظاہرہ ہے۔

والدین نے نام محمد تاج الدین رکھا۔

پیار سے چراغ دین پکارا جاتا تھا۔

چھوٹے تھے کہ والدین کا انتقال ہو گیا۔ نانا، نانی اور ماموں نے پرورش کی۔ چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے۔ ایک روز مکتب میں بزرگ حضرت عبداللہ شاہ قادریؒ تشریف لائے اور استاد سے فرمایا،

"یہ لڑکا پڑھا پڑھایا ہے۔ اسے پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

بابا تاج الدینؒ نے قرآن کریم پڑھنے کے ساتھ اردو، فارسی اور انگریزی میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں فوج میں شمولیت اختیار کی۔ ان کی رجمنٹ کا تقرر ساگر ڈپو میں ہوا جہاں ان کا معمول تھا کہ وہ بابا داؤد مکیؒ کے مزار پر شب بیداری کرتے اور صبح ملازمت پر آجاتے۔

باباصاحبؒ کی نانی کو خبر ملی کہ نواسہ رات بھر غائب رہتا ہے۔ وہ فکرمند ہو کر ساگر آئیں۔ جب اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رات کو حضرت بابا داؤد مکیؒ کے مزار پر وقت گزارتے ہیں تو بے فکر ہوگئیں۔

باباصاحبؒ صبح آئے تو ہاتھ میں پتھر تھے۔

نانی نے ناشتہ دیا تو فرمایا،

"نانی! میں تو یہ لڈو پیڑے کھاتا ہوں۔"

اور مٹھائی کی طرح پتھر کھانے لگے۔

یہ کرامت مٹی یا زمین کے علم سے واقفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ غذا زمین کے اندر میں سے ظاہر ہوتی ہے۔ باباصاحبؒ زمین کی کیمیا سے واقف ہیں۔ ظاہر میں انہوں نے پتھر کھائے لیکن بباطن پتھر کیا تھا، واللہ اعلم۔

رجمنٹ کے افسر نے باباصاحبؒ کو ڈیوٹی کے دوران ایک ہی وقت میں دو مقامات پر دیکھا۔ صبح پوچھ گچھ پر انہوں نے یہ فرما کر نوکری چھوڑ دی،

"لو جی حضرت! اب دو دو نوکریاں نہیں کرتے جی حضرت!"

بابا تاج الدینؒ کی سوانح حیات، ارشادات

اور کرامات کا تذکرہ چند صفحات میں ممکن نہیں۔ مضمون میں چند کرامات کو مختصر پیش کر کے یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان کرامات سے باباصاحبؒ کے مقام کا کسی حد تک ادراک ہو سکے اور قاری کا ذہن تفکر کی جانب راغب ہو۔

بابو رام سنگھ نامی شخص پر مقدمہ ہوا۔ مقدمہ ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ مایوس ہو کر بابا تاج الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

باباصاحبؒ نے فرمایا،

"چلا جا، کیا ہوتا ہے، بری ہو جائے گا۔"

وہ خوشی خوشی واپس آیا۔ مقررہ تاریخ پر عدالت میں اچانک "اجنبی بیرسٹر" کی آمد ہوئی جسے کسی نے نہیں بلایا تھا۔ بحث کے دوران اس نے ایسا قانونی نکتہ اٹھایا کہ مخالف وکیل لاجواب ہو گیا۔ عدالت نے ملزم کو بری کر دیا۔

"بیرسٹر صاحب" عدالت سے روانہ ہوئے تو رام سنگھ پیچھے پیچھے آیا اور عرض کیا، سرکار، سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ میرے بلائے بغیر مقدمے کی پیروی کے لئے کیسے آ گئے؟

"بیرسٹر صاحب" نے فرمایا،

"تجھے کیا ضرورت ہے۔ آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟ جس سے تو نے مقدمے میں مدد طلب کی ہے، اسی نے مجھے پیروی کے لئے بھیجا ہے۔ اب تو اپنے گھر جا، ہم اپنے گھر جاتے ہیں۔"

ایک اور واقعہ پڑھئے۔

ایک شخص حاضر ہوا اور اپنی قریب المرگ بیٹی کے لئے دعا کی درخواست کی۔

باباصاحبؒ چند لمحے خاموش رہے اور آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد ہنس کر فرمایا،

"جا بابا، لڑکی تو اچھی ہو گئی۔"

باپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ گھر پہنچا تو بیٹی صحت یاب تھی اور کھانا کھا رہی تھی۔ گھر والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا تو بتایا گیا کہ تھوڑی دیر پہلے ایک "سائل" آیا تھا۔ ہمیں غمزدہ دیکھ کر پوچھا کہ کوئی پریشانی ہے؟ ہم نے بتایا کہ بچی دم بھر کی مہمان ہے تو "سائل" نے کہا، چلو، ہم دیکھیں گے۔ ہم انہیں گھر میں لے آئے۔ وہ کچھ دیر بیمار کے قریب کھڑے رہے پھر فرمایا،

"اچھی ہو جائے گی۔ غم نہ کرو۔"

ان کے جانے کے بعد یہ ہوش میں آ گئی اور کھانے کو مانگا۔

دونوں کرامات میں ”مدد“ غور طلب ہے۔

بابا تاج الدینؒ سے ایک صاحب نے درخواست کی کہ میں اجمیر شریف جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا،

”اجمیر یہیں ہے، کہاں جاتا ہے۔“

یہ فرما کر اس شخص کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ صاحب ماحول سے بے خبر ہوگئے اور خود کو اجمیر شریف کی سیر کرتے دیکھا۔ کچھ دیر بعد بابا صاحبؒ نے ہاتھ ہٹایا تو اس شخص نے خود کو بابا صاحبؒ کی خدمت میں موجود پایا۔

کرامت کی توجیہ اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

ابدالِ حق قلندر باباؒ فرماتے ہیں،

”جب ایک شخص لندن ٹاور کو دیکھنا چاہے تو کراچی سے سفر کرکے اس کو لندن پہنچنا پڑے گا۔ ایسا کرنے میں اس کو ہزاروں میل کی مکانیت اور کئی دنوں کا زمانہ لگانا پڑا۔ اب نگاہ کا وہ زاویہ بنا جس سے لندن ٹاور دیکھا جا سکتا ہے۔ مقصد صرف نگاہ کا وہ زاویہ بنانا تھا جو لندن ٹاور کو دکھا سکے۔ یہ انسان کی ذات کے خارجی حصے کا زاویۂ نگاہ ہے۔ اس زاویے میں مکانیت اور زمانیت استعمال ہونے سے کثرت پیدا ہوگئی۔ اگر ذات کے داخلی زاویۂ نگاہ سے کام لینا ہو تو ہم اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ذہن میں لندن ٹاور کا تصور کرسکتے ہیں۔ تصور کرنے کے لئے جو نگاہ استعمال ہوتی ہے، وہ اپنی ناتوانی کی وجہ سے ایک دھندلا سا خاکہ دکھاتی ہے لیکن وہ زاویہ ضرور بنا دیتی ہے جو ایک طویل سفر کرکے لندن ٹاور تک پہنچنے کے بعد ٹاور کو دیکھنے میں بنتا ہے۔ اگر کسی طرح نگاہ کی ناتوانی دور ہو جائے تو زاویۂ نگاہ کا دھندلا خاکہ روشن اور واضح نظارے کی حیثیت اختیار کرسکتا ہے اور دیکھنے کا مقصد بالکل اسی طرح پورا ہو جائے گا جو سفر کی جدوجہد اور سفر کے بہت سے وسائل استعمال کرنے کے بعد پورا ہوتا ہے۔“

بابا تاج الدینؒ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر تصرف کرکے اس شخص کی نگاہ کا وہ زاویہ بنایا جو اجمیر شریف کی زیارت کے لئے درکار تھا۔

تحصیل دار منشی محمد حسین نے عرض کیا کہ اپنے وطن حیدرآباد کئی خط روانہ کئے مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ طبیعت بہت پریشان ہے۔

بابا صاحبؒ نے فرمایا، تمہارے خطوط کہاں ہیں؟ پھر پشت کی طرف ہاتھ ڈال کر تمام خطوط نکال کر سامنے رکھ دیے اور فرمایا،

”خطوط تو یہیں پڑے ہیں۔“

بابا تاج الدینؒ سب سے بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ ان کی محبت کا اپنا ایک انداز ہے۔ حاضرین کو نصیحت فرماتے،

''اللہ اللہ کرتے، اچھے رہتے۔''

بابا تاج الدینؒ کے سالکین میں مریم بی اماںؒ کا ایک خاص مقام ہے۔ خدمت میں حاضر ہونے والے سالکین کے لئے ہدایت تھی،

''میرے پاس آنے سے پہلے مریم بی اماںؒ کی خدمت میں حاضری دی جائے۔''

خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے روحانی علوم کی وارث ہستیوں میں بابا تاج الدینؒ کا ممتاز مقام ہے۔ باباصاحبؒ کی طرز فکر اتباعِ رسولؐ ہے۔

''سوانح حیات بابا تاج الدین ناگپوریؒ'' میں ایک جگہ چار نوجوانوں کا قصہ بیان ہوا ہے جس میں زمان و مکان کے رموز ہیں۔ اس قصے میں وہ مرحلہ بھی آیا جب نوجوانوں نے باباصاحبؒ کی رسول اللہؐ سے محبت و عقیدت اور روحانی نسبت کا مشاہدہ کیا۔ مختصر پیشِ خدمت ہے،

''بنکٹ راؤ کا اتنے کم وقت میں اسٹیشن پہنچ جانا معمّا بن گیا۔ پھر ایک ساتھی نے تجویز پیش کی کہ ہمیں بابا جیؒ کے پاس جاکر تمام واقعہ کی تحقیق کرنی چاہئے۔ وہ دوبارہ شکردرہ پہنچے۔ فضل کریم اور عباسی سڑک پر رک گئے۔ باباجیؒ کے سامنے جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ عبدالغفار اور عثمان نے ہمت کی۔ حجرے سے میلاد شریف کی آوازیں آرہی تھیں۔ جھانک کر دیکھا، سلام پڑھا جارہا تھا۔ باباجیؒ حالتِ وجد میں جھوم رہے تھے اور بنکٹ راؤ قریب مؤدب کھڑا تھا۔ باباجیؒ کی آنکھیں بند تھیں اور اشک رواں تھے۔

'ارے نوج! درود پڑھو! بڑے سرکارؐ کی سواری آرہی ہے۔'

درود کا غلغلہ بلند ہوا اور لطیف خوش بو پھیل گئی۔ سلام پڑھا جاچکا تھا۔ باباجیؒ فرش پر بیٹھ گئے۔''

قارئین! آپ نے مضمون کی ابتدا میں اقتباس پڑھا۔ نانا تاج الدینؒ نے یہ رموز راجا رگھو راؤ کے سوال کے جواب میں فرمائے۔ باباصاحبؒ نے آدمی کی علمی حیثیت ظاہر کرکے میاں رگھو راؤ سے فرمایا، جو کچھ میں نے کہا، اسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک مفلوج ہے!

سوال پر غور کیجئے اور جواب ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو لکھ کر بھیج دیجئے۔

عائشہ خان

داس ملوکا

اللہ کا بندہ — فی الارضِ خلیفہ انسان جب بَن (جنگل) میں بیٹھتا ہے تو دن ہو یا رات، بَن میں رات کے حواس غالب آتے ہیں اور بَن کے رنگ نرالے ہو جاتے ہیں۔

جب آدمی سایہ دیکھتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ میں مظاہرہ دیکھ رہا ہوں۔ مظاہرہ اطلاع میں حرکت کو ظاہر کرتا ہے۔ اطلاع میں حرکت سے بننے والے سائے کسی عالم میں واہمہ، کسی میں خیال، کسی میں تصور، کسی میں احساس اور کسی عالم میں مظاہرہ کہلاتے ہیں۔ مظاہرے کی اصل کہیں اور ہے جو کہتی ہے کہ اصل سے ذہن ہٹتے ہی وصل کے امکانات مدہم ہو جاتے ہیں — ختم نہیں ہوتے کہ اللہ غفور الرحیم ہے، اللہ نے واپسی کا راستہ کھلا رکھا ہے۔

ہم لاشعور کی تحریکات کا سایہ یعنی شعور ہیں مگر لاشعور سے ناواقفیت کی بنا پر اس حقیقت کا شعور نہیں رکھتے۔ سمجھتے ہیں کہ جس زمین پر ہم ''رہتے'' ہیں، حرکت اس زمین کا وصف ہے۔ سمجھ میں موجود خلل کو دور کرنے سے انکشاف ہوتا ہے کہ ہم اس زمین پر ''رہتے'' نہیں ہیں، ''ظاہر'' ہوتے ہیں۔ حرکت بھی کہیں اور واقع ہوتی ہے، اس کا سایہ زمین پر مظہر بنتا ہے۔

سائے میں تحریک کیسے پیدا ہوتی ہے،

راز — شہنشاہ ہفت اقلیم، حضرت بابا (نانا) تاج الدین ناگپوریؒ نے بیان فرمایا ہے۔

—◎—

تحقیق و تلاش (سائنس) سائے کو تاریکی سے جوڑتی ہے اور روشنی کے راستے میں رکاوٹ کا نام دیتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ زمین پر ہر چیز کا سایہ بنتا ہے لیکن اس امر پر غور نہیں کرتی کہ سایہ جس چیز کا بنتا ہے، وہ خود کسی اور زمین یا مقام پر موجود شے کا سایہ ہے۔ یہ فہم لاعلمی میں اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں، وہ رکاوٹ ہے — ہم رکاوٹ کے

شعور سے واقف ہیں، رکاوٹ کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے۔ ہم نے درخت کو دیکھا تو درخت کو نہیں دیکھا، رکاوٹ کو دیکھا۔ ہم درخت کو جس ذہن سے اور جس شکل میں دیکھتے ہیں، وہ درخت کی اصل کو دیکھنے میں رکاوٹ ہے۔

قرآن کریم نے اس رکاوٹ کو "ظلمت" کا نام دیا ہے — اصل سے واقفیت میں حائل سوچ ظلمت نہیں تو اور کیا ہے! ارشادِ ربانی ہے،

"ال ر۔ یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپؐ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپؐ لوگوں کو اللہ کے حکم سے تاریکیوں (ظلمٰت) سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں اور خدائے عزیز و حمید کے راستے پر لگادیں۔" (ابرٰھیم : ۱)

—•◎•—

باطنی علوم کے ماہرین خواتین و حضرات سائے کو تاریک نہیں دیکھتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اندھیرا بھی روشنی ہے جس کے رنگ "اندر میں" دیکھنے والوں پر روشن ہوتے ہیں۔ ایسے میں سائے کو تاریک دیکھنا، سائے کا نہیں — لاعلمی یا ناواقفیت کا رنگ ہے۔

تحقیق و تلاش (سائنس) یہ بھی کہتی ہے کہ سایہ دن یعنی سورج کی شعاعوں کی موجودگی میں بنتا ہے، رات میں سائے نہیں بنتے لیکن — نانا تاج الدین ناگپوریؒ اس کی نفی کرتے ہیں اور ایک دوہے میں اپنی باطنی زندگی کا ایک باب بیان کرکے اس رمز کو کھولتے ہیں۔

قدرت نے محدود شعور کے لئے سورج کو سائے پر دلیل بنایا ہے۔ جب سورج غروب ہوتا ہے یا بلب کی مصنوعی روشنی غیر موجود ہوتی ہے تو ان روشنیوں کو میڈیم بناکر دیکھنے والوں کے لئے سایہ سمٹ جاتا ہے — سمٹنے کا مطلب ختم ہونا نہیں ہے۔

سایہ نقطہ برابر ہو یا کئی فٹ طویل، اس کا وجود سے الگ نظر آنا اور پھر ہر سائے کا سایہ بننا راز ہے کہ ہر مخلوق ایک سے زیادہ پرتوں سے مل کر بنی ہے۔ پرتوں سے واقف انسان ارادے کی لہریں منتقل کرکے اپنی کسی پرت یا سائے کو الگ وجود کے طور پر ظاہر اور متحرک کرسکتا ہے اور اِس وجود کی حرکت اُس ذہن سے منسلک ہوتی ہے جس نے اسے اپنے ارادے سے متحرک کیا ہے۔

—•◎•—

تاج الملّت والدّین — شہنشاہ ہفت اقلیم، نانا تاج الدین ناگپوریؒ فرماتے ہیں،

؎ سائے بَن کی رات میں بَن باسی بن جائیں
داس ملوکا ساتھ میں جاگیں اور لہرائیں

داس ملوکا — باباتاج الدینؒ کا تخلص ہے۔
معنی — اللہ کا بندہ ہے۔

دوہے پر تفکر کے دوران لاشعور سے شعور پر ظاہر الفاظ کی ترتیب یہ ہے:

نانا تاج الدینؒ کے ذہن کی حرکت جب بَن (جنگل) کے سایوں کو منتقل ہوئی تو وہ بیدار ہوگئے اور ان کے ساتھ لہرائے۔ ناناصاحبؒ کی ہستی کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ دوہے میں ''لہرائیں'' کا مفہوم بہت گہرا ہے۔

نانا تاج الدینؒ، شہنشاہ ہفت اقلیم ہیں۔ ان کا سفر ایک دنیا تک محدود نہیں ہے۔ ذہن کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے پاس بیٹھے ایک شخص کی خواہش پر اسے بیت اللہ شریف کی زیارت کرادی۔ ان کی ہر کرامت اور زندگی کا ہر لمحہ ''زمان'' کے عرفان اور مکانیت کی تسخیر سے معمور ہے۔ بَن باسیوں کے ساتھ جب شہنشاہ ہفت اقلیم نانا تاج الدینؒ لہرائیں گے تو اس لہرانے میں نہ جانے کتنے عالمین یا سات اقلیموں کی اسپیس سمٹ آئے گی۔

اس دوہے میں خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے روحانی علوم کے وارث کی حیثیت سے، بحیثیت شہنشاہ ہفت اقلیم، کائنات میں بابا تاج الدینؒ کے مقام اور ان کو عطا کردہ علوم کا ذکر ہے۔

شہنشاہ ہفت اقلیم کی تعریف:

''شہنشاہ ہفت اقلیم بابا صاحبؒ کا ایسا لقب ہے جو تشریح و توضیح طلب ہے۔ اس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ تمام عالم کو اللہ تعالیٰ کے نظامِ تکوین میں سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو سات (ہفت) اقلیم کہلاتے ہیں۔ چنانچہ باعثِ تکوینِ کائنات حضورِ اکرمؐ کا وہ نائب جس کے انتظام و اختیار میں ساتوں اقلیم ہوتے ہیں، شہنشاہِ ہفت اقلیم کہلاتا ہے۔'' (کتاب: سوانح حیات باباتاج الدین ناگپوریؒ)

خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب بنایا ہے۔ کائنات میں جتنی زمینیں (عالمین) ہیں — انسان سب میں آباد ہے۔ آبادی کا ہر فرد ایک پرت ہے۔ ہر پرت ایک سایہ ہے اور ہر سایہ آدمی کے اندر مخفی ''انسان'' کا لباس ہے۔ آدمی اندر میں انسان سے واقف ہوجائے تو انسان اِس زمین پر رہتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے

حکم سے، کسی بھی زمین یا بیک وقت کئی زمینوں پر اپنے سایوں (پرتوں۔ لباس) کو ذہن کی حرکت سے متحرک کر سکتا ہے۔

نانا صاحبؒ کا احساس جب بَن کے سایوں میں منتقل ہوتا ہے تو سارے سائے ان کا الگ الگ پرت بن جاتے ہیں، ان کے ساتھ جاگتے ہیں اور ان کے ساتھ سفر کرتے (لہراتے) ہیں۔

لہرانے کو معرفت کی زبان میں سمجھیں تو اس میں وصل کے راز ہیں کہ جو دیکھ لیتا ہے، وہ عشقِ حقیقی میں مستانہ وار رقص کرتا ہے۔

"داس ملوکاؔ ساتھ میں جاگیں"

اللہ کا بندہ بَن میں بیٹھا تو اب بَن باسیوں کی حرکت اس کے ارادے کی پابند ہے۔ بَن باسی صرف درخت نہیں ہیں، "بہت کچھ" ہیں۔ ان کے جاگنے یعنی رمز سے روشناس ہونے کے لئے داس ملوکاؔ کا ان کے ساتھ جاگنا — ان کو اپنے ذہن کی تحریک دینا ضروری ہے۔

نانا صاحبؒ کی زندگی کا یہ رمز پتّوں کے کیڑے بننے کی کرامت میں بھی ظاہر ہے جب انہوں نے اپنے نواسے قلندر باباؒ سے فرمایا،

"ارے، تو سمجھ بھی سکے گا۔ دیکھ! یہ درخت ہے۔ اس کے اندر زندگی کے سارے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنا، سننا، سمجھنا، جنبش کرنا۔ یہ سب ٹکڑے اس درخت کے اندر جھانکنے سے نظر آتے ہیں۔ اس کے ہر پتّے میں سچ مچ کا منہ ہے۔ سچ مچ کے ہاتھ پیر ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جب تک پتّا دوسری زندگی سے ٹکراتا نہیں — اس کے اندر عام لوگ یہ نیرنگ دیکھ نہیں سکتے۔ اور جب کوئی پتّا میری زندگی سے گلے ملتا ہے تو جیتا جاگتا کیڑا بن جاتا ہے۔ یہ سمجھ کہ آنکھ سے بھی گلے ملتے ہیں۔ یاد رکھ! زندگی سے زندگی بنتی ہے اور زندگی، زندگی میں سماتی ہے۔"

اللہ کا بندہ — فی الارضِ خلیفہ انسان جب بَن میں بیٹھتا ہے تو دن ہو یا رات، بَن میں رات کے حواس غالب آتے ہیں اور بَن کے رنگ نرالے ہو جاتے ہیں — بَن باسیوں کے سائے اس کی زندگی سے ملتے ہیں تو بندگی کا حسین رخ سامنے آتا ہے اور سب ربِّ عظیم اللہ کے عشق میں لہراتے ہیں — سرمست ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی ہستی کی نفی کر کے اشرف المخلوقات انسان کے وسیلے سے عشق کا لافانی رنگ دیکھتے ہیں۔

فضیلت فخر

اندر میں کیا ہے ؟

لفظ ” میں“ تین حروف سے مل کر بنا ہے۔ یہ پڑھنے میں چھوٹا لفظ ہے لیکن اس کی وجہ سے زندگی نشیب و فراز میں رہتی ہے اور اس کے احساس کے سبب آدمی جنت سے زمین پر آیا ہے۔ لفظ ” میں“ کیا ہے؟ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور اس کے اثرات کیا ہیں ؟

میں کے زیرِ اثر ہر شخص اپنے انداز میں اس کی تعریف کرتا ہے اور یہی میں کی کارستانی ہے کہ اس میں الجھے ہوئے لوگ اپنا اپنا راگ الاپتے ہیں لیکن ایک نہیں ہوتے۔

” میں“ بے نیازی کے برخلاف صفت ہے۔ آدمی صرف اپنے نفع نقصان کو مقدم رکھتا ہے جب کہ میں سے بے نیازی — اللہ کا نیاز مند بننا اور اللہ کی رضا میں راضی رہنا سکھاتی ہے۔

اللہ محیط ہے۔ ہر جا اللہ کی صفات کا ظہور ہے۔ اللہ کی مرضی کے بغیر بحر و بر میں پتّا تک نہیں ہلتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

” اور اللہ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے، سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتّا ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔“

(الانعام: ۵۹)

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ ہر شے پر قادر ہے، ہر شے پر محیط ہے اور ہر شے سے بے نیاز ہے۔ آدمی — اللہ کی لاشمار تخلیقات میں سے ایک تخلیق ہے اور حرکت کے لئے اللہ کے امر کا محتاج ہے پھر بھی میں کے زعم میں مبتلا ہے۔

آدمیوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی نفی کر کے اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری پر قائم ہے اور اللہ کے بتائے ہوئے علم میں راسخ ہے کہ ” ہر شے اللہ کی طرف سے ہے“۔ اس گروہ

کا نام انسان ہے۔

آدمی اور انسان دو دنیائیں ہیں۔ ایک باہر کی دنیا کے فریب میں ہے اور ایک اندر کی دنیا میں رہتا ہے۔ ''اندر میں'' دنیا کیا ہے—؟

ایک دنیا یہ ہے جہاں رنگ ہے، رونق ہے اور آسائشیں ہیں لیکن یہ سب ''اندر میں'' دنیا میں بھی ہیں۔ جب ''اندر میں'' سے واقف خواتین و حضرات مشاہدات بیان کرتے ہیں تو علم ہوتا ہے کہ باہر سمجھی جانے والی دنیا سے اندر کی دنیا کے رنگ زیادہ حسین، ماند نہ ہونے والی رونق اور ایسی آسائشوں سے بھرپور ہیں جن میں تسکین کے ساتھ تکمیل ہے۔

یہ سوال کہ اندر میں دنیا کیا ہے اور وہاں کون رہتا ہے—آدمی اور انسان کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جواب یہ ہے کہ ہر مخلوق احساسات کا مجموعہ ہے اور اندر میں دنیا کو کسی نہ کسی احساس سے رنگین رکھتی ہے۔ آدمی عارضی چیزوں کو رنگینی سمجھتا ہے اور خود کو ان کے احساسات اور تصورات سے آباد رکھتا ہے۔ دوسری طرف انسان بھی دنیا میں رہتا ہے، تمام ضروریات اور وسائل استعمال کرتا ہے لیکن اس کے اندر کی دنیا شکر اور محبت کے رنگ سے آباد ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی محبت میں دنیا میں وقت گزارتا ہے اور اللہ کی محبت اس کی دنیا بن جاتی ہے۔

محبت کا وصف ہے کہ یہ لامحدود ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کوئی صفت محبت کی تعریف پر پوری نہیں اترتی۔ اگر محبت لامحدود نہیں ہے تو پھر وہ محبت نہیں ہے بلکہ حالات بدلتے ہی فنا ہو جاتی ہے۔ ہم بہت مرتبہ ایسے حالات سے گزرتے ہیں کہ کسی شے یا فرد سے انتہائی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب وہ ملتی ہے تو قدر نہیں کرتے یا اس کا متبادل ملتے ہی محبت کا دعویٰ سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

آدمی جب خود کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے تو وہ مغضوب اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ آدمی کی اصل آزمائش اس کی خود پسندی ہے جو اس کے گرد خول بنا لیتی ہے۔ جب وہ خود پرستی کے خول سے نکلتا ہے تو اسے حقیقت کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ دنیا کی ظاہری رونقیں دل کو بہلا تو سکتی ہیں مگر سکون اس دل میں ہے جو اللہ کے شکر اور اللہ کی رضا سے روشن ہے۔

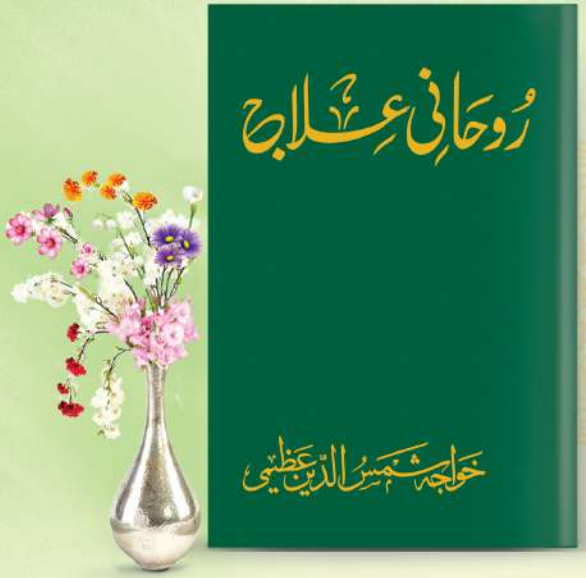

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بوسیلہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ہم سب پر نازل ہوں اور ہمیں جسمانی اور روحانی سکون حاصل ہو، آمین۔

شک اور بے یقینی کے طوفان سے پیدا ہونے والی تقریباً دوسو بیماریوں اور مسائل کو یکجا کر کے کتاب "روحانی علاج" میں ان کا حل شائع کیا گیا ہے۔ کتاب "روحانی علاج" کی مقبولیت کے پیشِ نظر قارئین کے تعاون سے ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" نے اس کتاب کو گھر گھر پہنچانے کا پروگرام بنایا ہے۔

جو خواتین وحضرات راہِ للہ کے اس پروگرام میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔۔۔ ادارے سے رابطہ کریں۔

ملنے کا پتہ : عظیمی یونیورسٹی پریس® سرجانی ٹاؤن، کراچی

+92 307111 5224

info@azeemiuniversitypress.com

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ

عظیمیہ روحانی لائبریری جنڈ، اٹک

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات کے لئے عظیمی صاحبؒ کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب روزانہ | حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

آدمی لباس ہے

پچھلے ہفتے ہم نے تمہید بیان کی تھی نظریۂ رنگ و نور کے سلسلے میں تاکہ ذہن تیار ہو جائے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے زمین میں کاشت کرنے سے پہلے زمین کو تیار کرتے ہیں اور تیاری سے پہلے زمین کے اوپر جو کانٹے اور جھاڑ وغیرہ ہوتا ہے، اس کو نکالتے ہیں۔ نکالنے کے بعد زمین کی مٹی میں ہل چلاتے ہیں یا پھاوڑے سے صاف کر کے اس قابل کر دیتے ہیں کہ ہم زمین میں جو بیج ڈالیں، وہ ضائع نہ ہو۔ اگر ویسے ہی زمین میں بیج ڈال دیں گے تو ہو سکتا ہے، دس بیج یا سارے کے سارے بیج سخت ہو جائیں، جل جائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک آدھ بیج نکل آئے لیکن کوئی یقینی بات نہیں ہے کہ جو بیج آپ نے ڈالا ہے، وہی درخت نکل کے تناور ہو جائے۔ یہ ضروری ہے درخت کے لئے بھی کہ زمین اچھی ہو، ہموار ہو، اس میں جھاڑ نہ ہو۔ زمین پتھریلی نہ ہو۔ زمین (مٹی) کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ کالی مٹی، بھربھری مٹی، سفید مٹی، گلابی رنگ کی مٹی۔ مٹی کی اقسام سے قطع نظر، ہر مٹی کو بنانا پڑتا ہے یعنی میدان ہموار کرنا پڑتا ہے کہ جس میں ہم بیج ڈالیں، وہ بیج جلے نہیں اور سخت نہیں ہو۔ یہی صورتِ حال دماغ کی ہے۔

دماغ بھی کھیت یا زمین کی طرح ہے۔ اگر دماغ کے اندر اصلاحی باتیں نہ ڈالی جائیں، خراب باتیں ڈالی جائیں تو خراب ہو جاتے ہیں، ڈاکو بھی ہو جاتے ہیں، چور بھی ہو جاتے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں، دھوکا اور فریب بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ دماغ کو، ذہن کو بنایا نہیں جاتا۔

اب تھوڑی سی زمین تیار ہوئی ہے۔ زمین تو ایک دفعہ میں تیار نہیں ہوتی اور اس زمین کے اندر جو ہمیں کاشت کرنی ہے، اس کے بارے میں آپ سے گفتگو کروں گا — وہ یہ ہے کہ انسان پیدا ہوتا ہے۔ ہم انسان کہتے ہیں، وہ انسان پیدا نہیں ہوتا، آدمی پیدا ہوتا ہے۔ یہ بہت غور طلب ہے کہ انسان پیدا نہیں ہوتا،

آدمی پیدا ہوتا ہے۔ انسان ایک چولا پہنتا ہے اور وہ چولا ایسا ہے کہ اس کے اوپر محیط ہو جاتا ہے۔ وہ کس طرح چولا پہنتا ہے؟

اب یہ سمجھیں کہ ایک آدمی ہے۔ وہ کُرتا اس طرح سلواتا ہے کہ اس میں آستین بھی ہوتی ہے، آستین میں دستانے کی طرح انگلیاں ہوتی ہیں۔ شلوار یا پاجامہ اس طرح ہو کہ اس میں پیر بن جائیں اور پیر کی انگلیاں بھی اس کے اندر آجائیں۔ ناک میں ناک آجائے، کان میں کان آجائیں، یہ مشکل کام نہیں ہے۔ ٹوپی اوڑھیں، ٹوپی کے اندر آنکھ بنادیں یا منہ پر ناک بنادیں، اس میں سوراخ کر دیں یعنی لباس کے اوپر ایسا لباس وضع کیا جائے کہ ہاتھ پیر کی انگلیاں، سر، ناک اور منہ بھی اس کے اندر بنا ہوا ہو۔ آنکھیں بھی نظر آتی ہوں وغیرہ۔

یہی مثال اس بات پر پوری آتی ہے کہ انسان اصل انسان کی نقل ہے۔ جیسے یہ انسان ہے، اس کے پیر ہیں، اصل انسان کے بھی پیر ہیں۔ وہ اصل انسان اپنے لئے لباس اس طرح بناتا ہے کہ جب پیر بناتا ہے تو پیر کی پوری ساخت کے حساب سے پیر بناتا ہے۔ پانچ انگلیاں بناتا ہے، اس کے اوپر ناخن بناتا ہے۔ جب ہاتھ بناتا ہے تو پورا ہاتھ بنتا ہے یعنی ایک آدمی بنائیں آپ... اچھا چلیں، اگر آدمی بنانے میں دِقّت پیش آتی ہے تو آدمی کے اوپر روغن کر دیں۔ ظاہر ہے، انگلی پر بھی روغن ہوسکتا ہے۔ انگوٹھے پر بھی ہوسکتا ہے۔ ہاتھ پر بھی ہوسکتا ہے۔

روغن سے میری مراد رنگ ہے۔

یہ جو ہمارا مادی جسم ہے، یہ دراصل روح نے ایک لبادہ اوڑھا ہوا ہے یا روح نے ایک لباس پہنا ہوا ہے۔ وہ کس قسم کا لباس ہے؟ آدمی جو کچھ ہے، وہ روح کے اوپر ایک پینٹ ہے۔ ایک کلر ہے۔ مثال کے طور پہ میں اپنے ہاتھ پر، انگلی پر پینٹ کرلوں تو ظاہر ہے میں جب انگلی ہلاؤں گا تو پینٹ بھی خود بہ خود ہلے گا۔ میں ناک کے اوپر کوئی رنگ کرلوں تو ظاہر ہے، میں جب اس طرف گردن ہلاؤں گا تو ناک کے اوپر جو پینٹ ہوا ہے، وہ بھی ہلے گا۔ اب دل ہے۔ دل کے اندر بھی روح ہے۔ مادی جسم اصل نہیں ہے۔ یہ بات بہت غور طلب ہے۔ مادی جسم میڈیم ہے، روحانی تحریکات ظاہر ہونے کا ایک واسطہ ہے۔

ایک آدمی ہے۔ آپ آجائیں، یہاں کھڑے ہو جائیں۔ ادھر کو منہ کرلیں۔

(مرشد کریم نے ایک طالب علم کو بلایا۔)

اب یہ آدمی کھڑا ہوا ہے۔ آپ یہ سمجھیں کہ یہ روح ہے۔ وہ تو ہم سبھی ہیں۔ ایک روح کھڑی ہوئی ہے آپ کے سامنے۔ اب ہم روح سے کہتے ہیں کہ روح! ہاتھ ہلاؤ۔ ہاتھ ہلے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ سر ہلاؤ۔ سر ہلے گا۔ ہم کہتے ہیں، ٹانگ ہلاؤ۔ ٹانگ ہلے گی لیکن اگر جسم کے اندر روح نہ ہو پھر؟ کچھ نہیں ہلے گا۔ ہم کہتے ہیں، پھونک مارو۔ چھو! پھونک مارو!

اب مردہ آدمی کو اسی طرح کھڑا کر دیتے ہیں۔ سیدھا۔ لاش کھڑی ہو سکتی ہے؟ ہم مردہ جسم سے کہتے ہیں، پھونک مارو! کیا ہو گا—؟ پھونک کس نے ماری؟

جیسے میں بول رہا ہوں، آپ سن رہے ہیں۔ ایسی کوئی صورت واقع ہو کہ قیامت آجائے، سب مر جائیں، آپ سن سکیں گے؟ تو کس نے بولا؟ کس نے سنا؟ کس نے پکڑا؟ کس نے کھانا کھایا؟ مردہ آدمی کھانا نہیں کھاتا۔ مردہ آدمی کے منہ میں ایک مشت پانی ڈال دیں۔ کتنے قطرے پیٹ میں جائیں گے؟ ایک قطرہ نہیں جائے گا۔ کیوں؟ کس نے پانی پیا؟ کھانا کس نے کھایا؟ ہاتھ کس نے ہلایا؟ اس کا مطلب، انسان کے اندر جتنی حرکات و سکنات ہیں، وہ اس مادی جسم کی نہیں ہیں۔ مادی جسم کی جتنی حرکات و سکنات ہیں، وہ روح کی ہیں۔

ایک کھلونا ہے۔ اس میں چابی بھی ہے۔ آپ اس میں چابی نہ دیں تو کھلونا حرکت نہیں کرے گا، اگر چابی دے دیں تو کھلونا حرکت کرے گا۔ حرکت کس کی ہوئی؟ چابی کی اور ہم کیا کہتے ہیں؟ کھلونا چل رہا ہے۔ کھلونا اگر چل رہا ہے تو بغیر چابی کے بھی چلے۔ اس کا مطلب کھلونا ایک طرح کا میڈیم (واسطہ) ہے۔ اگر اس کے اندر بجلی نہ ہو، بیٹری نہ ہو، وہ نہیں چلے گا۔ اسی صورت سے آدمی کے اندر روح نہ ہو تو روح کیا چیز ہوئی؟ چابی ہے۔ کھلونے میں چابی نہ ہو، کھلونا نہیں چلے گا۔ اصل چیز کھلونا ہوا یا چابی ہوئی؟ اصل چابی ہوئی، کھلونا میڈیم ہوا۔

انسانی شکل و صورت، ڈھانچا، جسم، ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان جو کچھ ہے، یہ میڈیم ہوا۔ اگر اس کے اندر اصل نہیں ہے تو کان بے کار ہیں۔ اگر اس کے اندر اصل نہیں ہے، ناک بھی بے کار ہے۔ اگر اس کے اندر اصل نہیں

ہے، ہاتھ پیر ہر چیز اندر کی مشینری سب بے کار ہے۔ کیوں بے کار ہے؟ جو چیز اس کو حرکت دینے والی ہے، وہ چیز اس کے اندر نہیں ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ آدمی کا گوشت پوست کا جسم، میڈیم ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے سوائے روح، چابی، پاور یا کرنٹ کے، جو بھی نام رکھو۔

یہاں انسان — انسان ہم غلط بولتے ہیں، بولنا چاہئے، آدمی۔ جتنے آدمی ہیں، مشین کا پرزہ یا مشین کا کھلونا ہیں۔ جس طرح کھلونے میں بیٹری ہوتی ہے اور کھلونا اچھلتا ہے، کودتا ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے۔ اسی طرح آدمی کے اندر جب تک وہ مشین ہے اور مشین چل رہی ہے، اس کے اندر کرنٹ، بجلی اور لائف اسٹریم ہے۔

مردہ آدمی ڈاکٹر کیوں نہیں بنتا؟ وکیل کیوں نہیں بنتا؟ اس کے اندر روح نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ روح نے جسم کو مظاہرے کے لئے ایک شکل، صورت، تصویر یا میڈیم بنایا ہے۔

انسان کی اصل کیا ہوئی اور ہم کس کو اصل سمجھتے ہیں؟ جسم کو۔ بس یہی بات ہے۔ گرہ جو لگی ہوئی ہے، وہ یہی ہے کہ ہم نے کبھی ذہن کو اس تحقیق، ریسرچ اور اس تلاش میں استعمال نہیں کیا کہ ہمارے جسم کی حیثیت لباس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے کتاب ''لوح و قلم'' میں فرمایا ہے کہ انسان کیا ہے؟ انہوں نے ''لوح و قلم'' میں کیا بتایا ہے؟ روح کا لباس۔ ''لوح و قلم'' کی بالکل ابتدا میں حضور قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا ہے کہ انسان بلکہ آدمی کہو۔ لقد خلقنا الانسان فی احسنِ تقویم۔ یہ جسم احسنِ تقویم کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے۔ احسنِ تقویم پر انشاءاللہ، بعد میں بات ہوگی۔

یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی کہ یہ گوشت پوست کا جسم، اس کی اپنی ذاتی کوئی حرکت نہیں ہے۔ جب تک روح انسانی جسم کو لباس بنا کر پہنے رہتی ہے، لباس میں حرکت رہتی ہے۔ لباس کا مطلب کیا ہے؟ ایسا لباس جس میں سر بھی ہے، ناک بھی ہے، کان بھی ہے، آنکھ بھی ہے، دل بھی ہے، گردے بھی ہیں، پھیپھڑے بھی ہیں، آنتیں بھی ہیں، ہر چیز ہے۔ وہ لباس جب تک اس مشینری کے اوپر ہے جس کے اندر حرکت ہے تو اس لباس میں بھی حرکت

موجود ہے۔ اگر اس کے اندر سے حرکت نکال لی جائے تو لباس ڈیڈ باڈی ہے۔

انسان اور آدمی اتنا خلط ملط ہے کہ ہمیں آدمی اور انسان کو الگ الگ بولنا چاہئے۔ ہم انسان جو لفظ بولتے ہیں، یہ صحیح نہیں بولتے۔ ہمیں آدمی بولنا چاہئے۔ آدمی کا مطلب —؟ حیوان۔ ناطق کا کیا مطلب ہے—؟ بولنے والا حیوان۔ کیا بیل گونگے ہوتے ہیں؟ چڑیا بولنے والی نہیں ہے؟

یہ انسان کی اختراع کتنی غلط ہے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے کہ انسان بولنے والا ہے۔ بھینس نہیں بولتی؟ بھینس کو تکلیف ہو، وہ کراہتی نہیں ہے؟ اس کے بولنے سے پتہ چلتا ہے کہ بڑی تکلیف میں ہے۔

ہمارے وہاں بھینسیں پلی ہوئی تھیں تو حضور قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا کہ یہ بھینس بہت تکلیف میں ہے۔ میں نے عرض کیا، حضور، یہ کیسے تکلیف میں ہے؟ کہنے لگے، یہ دردِ زہ میں مبتلا ہے۔

یہ سن کر میں قریب باڑے میں گیا۔ وہ بھینس بہت زیادہ پریشان تھی۔ ایک خاتون آئیں اور کہا، اس کو دردِ زہ ہو رہا ہے، سب ہٹ جاؤ۔ اس کے لئے پردہ کرو یا کسی کمرے میں لے جاؤ۔

ایک کمرا خالی تھا۔ وہاں لے جا کر دروازہ بند کر دیا اور تھوڑی دیر میں بچہ ہو گیا۔ کیا مطلب ہوا اس کا؟ یعنی اس کے اندر بھی شرم وحیا ہے۔ یہ میں اپنا چشم دید واقعہ آپ کو سنا رہا ہوں۔

انسان کہتا ہے کہ ناطق، میں بولنے والا ہوں۔ کیا چڑیا گونگی بہری ہے؟ ہدہد گونگا تھا؟ شادی کرادی حضرت سلیمانؑ کی۔ کیا مکڑی بے عقل تھی؟ جالا بُن دیا غارِ ثور پر۔ شہد کی مکھی۔ اللہ تعالیٰ نے نام سورۃ النحل رکھ دیا۔ اتنا زبردست نظام ہے اس کا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ غلط رس لے آئی ہے تو اس کو محل کے اندر چھتّے کے اندر داخلے کی اجازت نہیں۔ اس کی سزا موت ہے۔ یہ عقل نہیں ہے؟

انسان اپنے آپ کو نمایاں کرنا چاہتا ہے۔ نمایاں ہے انسان لیکن اگر اسے علم الاسماء حاصل نہیں ہے تو اس کی کتّے بلی سے زیادہ ہرگز اہمیت نہیں ہے۔ بیس بیس لاکھ کا ایک کتّا آتا ہے۔ مجرم پکڑنے میں آدمی کی اہمیت ہوئی یا کتّے کی؟ کون سا ایسا جانور ہے جو نہیں بولتا؟ مرغی کے دس بارہ بچے ہوتے ہیں۔ جب خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ ایک مخصوص آواز نکالتی ہے۔ آپ

نے دیکھا ہو گا کہ جہاں جہاں بچے ہوتے ہیں، اس کے پروں میں آ کے چھپ جاتے ہیں۔ وہ شریر بچے جو ہوتے ہیں، پروں سے نکلتے ہیں۔ دیکھا ہو گا آپ لوگوں نے۔ وہ اس کو چونچ مارتی ہے۔ چلو اندر! یہ ناطق نہیں ہے—؟ یہاں کوئی غیر ناطق نہیں ہے۔ سب بولتے ہیں۔

آدمی، گدھے، کتّے، بلی میں اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ انسان کے اندر اللہ نے ایسا شعور عطا فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی زبان سمجھتا ہے اور وہ اللہ کی امانت کا متحمل ہوتا ہے۔ اللہ کی زبان سمجھنے کا مطلب کہ اللہ اس سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

اگر آدمی کے اندر وہ صلاحیت ہے کہ وہ اللہ کی آواز سن سکے، اللہ کی بارگاہِ اقدس میں اپنی معروضات پیش کر سکے تو وہ انسان ہے۔

انسان کو بہترین تخلیق بنایا۔ یہ انسان ہے۔

یہ اسفل سافلین میں گرا ہوا ہے۔

یہ کون ہے—؟ آدمی۔

روحانیت کا جو درس ہے، روحانیت کا جو طریقِ کار ہے، روحانیت کا جو مفہوم ہے یا روحانی علوم کی جو شان ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی، انسان کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ بالکل ایسا ہے کہ ایک آدمی جاہل ہے لیکن وہ اسکول میں جب داخل ہو جاتا ہے تو پڑھ لکھ جاتا ہے۔ اگر آدمی روحانی علوم سیکھنے کے لئے کالج میں داخل ہو گیا یا اسکول میں داخل ہو گیا یا کسی خانقاہ میں چلا گیا تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے انسانیت کے دائرے میں پیر رکھ دیا۔ اگر آدمی انسانیت کے دائرے میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسے وہ علوم حاصل کرنے ہوں گے جن علوم سے وہ اللہ سے ہم کلام ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرما رہے ہیں کہ وحی کے ذریعے اللہ بات کرتا ہے، پردے کے پیچھے سے اللہ بات کرتا ہے، کسی قاصد کے ذریعے اللہ باتیں کرتا ہے اور اللہ جس طرح چاہے، اپنے بندے سے مخاطب ہو سکتا ہے۔

ایک علم یہ ہے کہ آدمی اندرونی صلاحیتوں کو اتنا زیادہ ایکٹو کر لے کہ اس سے تخریب میں کام لے سکے۔ اس کو استدراج اور جادو کہا جاتا ہے۔ اور ایک علم وہ ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کا تعارف حاصل کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس کو روحانی علوم کہا جاتا ہے۔

بلال حسن

تلاش کیجئے

ہر وہ شخص جس نے ہمیں دیکھا ہے، اس کے ذہن میں ہمارا چہرہ کچھ مختلف ہے۔ ہم اپنے لئے بھی ایک نہیں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جسے ہم اپنا آپ سمجھتے ہیں، وہ کہیں موجود نہیں ہے۔

کیا آپ کو اپنی تصویر دیکھ کر خیال آتا ہے کہ میں جیسا ہوں، تصویر ویسی نہیں ہے—؟ نقوش، مسکراہٹ یا چہرے کی ساخت اس طرح نہیں ہے جس طرح کیمرے نے محفوظ کی—؟ آپ یہ جواز پیش کر کے خود کو مطمئن کرتے ہیں کہ تصویر ایک لمحے کا عکس ہے، ممکن ہے جس وقت چہرے کے زاویے ایسے تھے، کیمرے نے اس لمحے کے عکس کو محفوظ کر لیا—؟

کم لوگ اپنی تصویروں سے مطمئن ہوتے ہیں۔ کچھ کو اس قدر خبط ہوتا ہے کہ شادی بیاہ یا کسی اور موقع پر دوست کے ہاتھ میں کیمرا یا موبائل فون پکڑا دیتے ہیں اور مختلف انداز بنا کر درجنوں تصاویر کھنچواتے ہیں کہ ان میں سے کوئی تصویر اچھی آئے گی لیکن—؟ آخر کار دوست زچ ہو جاتا ہے یا وہ خود کہہ دیتے ہیں کہ رہنے دو، میں تمہاری کتنی اچھی تصویریں کھینچتا ہوں اور تم نے کیسی تصویریں کھینچی ہیں۔

جو تصویر ہمیں پسند نہیں آتی، وہ امی ابا اور بہن بھائیوں کو اچھی لگتی ہے۔ یہ دیکھ کر دل پژمردہ ہو جاتا ہے کہ کیا میں ایسا نظر آتا ہوں؟ ہم وہ تصویر ریکارڈ سے ہٹا دیتے ہیں یعنی انکار کر دیتے ہیں کہ یہ میں نہیں ہوں۔

ایسا ہوتا ہے لیکن کیوں ہوتا ہے؟

◆•◆•◆

ہم نے آج تک خود کو براہِ راست نہیں دیکھا جس کا مطلب ہے کہ ہم نے خود کو دیکھا ہی نہیں بلکہ آئینے اور کیمرے کے دیکھنے کو دیکھا۔ آئینے نے جیسا دکھایا، ہم نے اسے اپنی شناخت سمجھ لیا جب کہ ہر آئینے کا دیکھنا الگ ہے۔

ہم تصویر میں اس طرح نظر نہیں آتے جیسا

خود کو آئینے میں دیکھتے ہیں۔ دونوں جگہ چہرے مختلف کیوں ہیں اور ان میں سے ہم کون ہیں؟

ایک وجہ یہ ہے کہ آئینے میں دیکھنا، تسلسل میں دیکھنا ہے جیسے فلم میں تصویریں متحرک ہوتی ہیں۔ آئینے کے سامنے ساکن کھڑے ہوں، سانس چلتا رہتا ہے، آنکھوں کے ڈیلے حرکت کرتے ہیں، پلکیں جھپکتی ہیں اور خیالات جاری رہتے ہیں۔ دوسری طرف تصویر زندگی کی فلم میں سے کسی ایک لمحے کا عکس ہے۔ اس لمحے میں چہرے کے زاویے کیمرے نے محفوظ کر لئے۔

یہ زاویے آئینے کے سامنے بھی بنتے ہیں لیکن حرکت میں روانی کی بنا پر محسوس نہیں ہوتے۔ اس دوران ویڈیو بنا کر اسے ایڈیٹنگ سافٹ ویئر کی ٹائم لائن پر لگا کر دیکھا جائے تو آئینے کے سامنے چہرے کے جتنے زاویے ہم نے بنائے، سب الگ الگ فریم میں اسکرین پر موجود ہوتے ہیں— لہٰذا کیمرے کی کھینچی ہوئی تصویر جو بعض اوقات پسند نہیں آتی، اُس انتہائی مختصر لمحے کا عکس ہے جس لمحے چہرے کا زاویہ ویسا نہیں تھا جیسا ہم خود کو سمجھتے ہیں۔

◇ ہمارا اصل چہرہ کون سا ہے اور کیسا ہے؟

◇ ہم اپنے چہرے سے انجان کیوں ہیں؟

◇ عمر گزار کر بھی خود کو نہیں دیکھا تو کیا دیکھا؟

ہمارا دیکھنا سوالیہ نشان بن گیا کیوں کہ خود کو دوسرے میڈیم سے دیکھنے والا شخص اوروں کو بھی اسی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

بعض لوگوں کو آئینے میں اپنا آپ اجنبی لگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسے نظر نہیں آتے۔ جب خود کو بلا واسطہ نہیں دیکھا تو کیسے علم ہوا کہ ہماری اصل شکل کیسی ہے؟

◆•◆•◆

آئینہ اصل کی بجائے عکس دکھاتا ہے اور عکس الٹ نظر آتا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ آئینہ پہلے خود دیکھتا ہے پھر ہمیں دکھاتا ہے یعنی ہم نہیں دیکھتے، آئینہ دکھاتا ہے۔ نتیجے میں بائیں طرف، آئینے میں دائیں طرف نظر آتی ہے اور دائیں طرف کو ہم بائیں طرف دیکھتے ہیں۔ آئینہ دائیں کو بائیں نہیں لاتا، عکس کے اصول کی وجہ سے بصری فریب* پیدا ہوتا ہے اور فریب زدہ ذہن، فریب کو قبول کر لیتا ہے۔

اگر آپ کے دائیں رخسار پر تل یا کوئی نشان ہے تو اس پر انگلی رکھئے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میں

---

* بصری فریب (optical illusion)

نے دائیں رخسار پر انگلی رکھی ہے لیکن آئینہ کہتا ہے کہ نہیں، یہ بایاں رخسار ہے۔ وہ ایسا کیوں کہتا ہے— ؟ آئینہ عکس کے قانون کی رُو سے بات کرتا ہے۔ عکس الوژن کا دوسرا نام ہے۔ ہم عکس کو عکس نہیں سمجھتے، کہتے ہیں کہ یہ میں ہوں— یہ نہیں کہتے کہ یہ میرا عکس ہے۔

سوال کرنا چاہئے کہ میں دائیں کو بائیں دیکھ رہا ہوں یا آئینہ دکھا رہا ہے۔ اگر سمت کا فریب آئینے کی طرف سے ہے تو پھر فریب زدہ شے میں خود کو دیکھ کر اسے اپنا آپ کیوں سمجھوں؟

ہمیں الوژن ذہن کی وجہ سے نقل دیکھنے اور اسے اصل تسلیم کرنے کی عادت ہے۔

◆•◆•◆

اپنا چہرہ اجنبی محسوس ہونے کی دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ دوست احباب ہمیں روز اس زاویے سے دیکھتے ہیں جو رخ تصویر میں آتا ہے اس لئے ہماری تصویر انہیں اُس ''حقیقت'' سے قریب لگتی ہے جس حقیقت سے وہ واقف ہیں جب کہ ہمیں اجنبی محسوس ہوتی ہے۔

ہم بھی سب کو اس زاویے سے دیکھتے ہیں جس پر تصویر کا اصول قائم ہے اس لئے ان کی تصویریں ہمیں اُس ''حقیقت'' سے قریب لگتی ہیں جس حقیقت سے ہم واقف ہیں۔

یہاں سے دو طرزیں سامنے آتی ہیں۔

① آئینے میں دیکھنا خود کو کیمرے کے لینس یا view finder میں دیکھنا ہے گویا اسی لمحے اپنی شبیہہ دیکھنا۔ یہ ایک طرح سے نیگیٹو کی طرز پر دیکھنا ہے۔

② تصویر میں دیکھنا، محفوظ ہونے والے عکس کو پوزیٹو حالت میں دیکھنا ہے اور پوزیٹو اس طرح دکھاتا ہے جس طرح لوگ ہمیں اور ہم لوگوں کو دن رات دیکھتے ہیں۔ وضاحت یہ ہے کہ درخت پر چڑیا بیٹھی ہے۔ آنکھ کا لینس چڑیا کی سمت کو الٹ پھیر کر شبیہہ آنکھ کے پیچھے ریٹینا پر بناتا ہے۔ دماغ کا بصری حصہ خودکار طور پر تجزیہ کرکے سمت کو پہلی طرز پر لے آتا ہے۔ نتیجے میں چڑیا ''سیدھی'' نظر آتی ہے۔

یہ آئینے اور تصویر میں دیکھنے کا فرق ہے۔

قارئین! ہم خود کو آئینے کی طرز پر دیکھتے ہیں اور لوگوں کو تصویر کی طرز پر دیکھتے ہیں۔ مثلاً ہم آئینے میں دائیں سمت کو بائیں سمت کہتے ہیں لیکن تصویر میں دائیں سمت کو بائیں سمت نہیں کہتے۔ ہم نے آئینے میں سمتوں کا الٹ پھیر اس

لئے دیکھا کہ آئینہ ہمیں اِس طرح دیکھ رہا ہے اور ہم آئینے کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔

◆•◆•◆

ہم کون ہیں، کیسے ہیں؟ نہیں دیکھا۔

ہم نے اپنا اور ہر شے کا عکس دیکھا ہے اور عکس بھی خالص نہیں ہے — شیشے، پکسلز، لینس یا تاثر جس کو effects کہتے ہیں، کے ذریعے فلٹر ہوکر ہم تک پہنچتا ہے اور ایک چہرے پر کئی چہرے سج جاتے ہیں۔

یہی حال تصویروں کا ہے۔

روشنی چہرے پر سائے ڈالتی ہے، چند نقوش کو نمایاں کرتی ہے اور کچھ نقوش چھپا دیتی ہے۔ کیمرے کا زاویہ، لینس کا فرق، چہرے کا ہلکا جھکاؤ — اور ہم بدل جاتے ہیں۔

ساکن تصویر ہو یا متحرک تصویریں (ویڈیو)، سمتوں میں ادل بدل دیکھنے کی بنا پر ہنستی بولتی تصویروں میں سے ایک تصویر ایسی نہیں کہ کہہ سکیں، یہ ہم ہیں۔ یہ وہ تاثر ہے جو ہم نے خاص ماحول میں کسی کیفیت اور خیال کے زیرِ اثر دیا اور کیمرے نے ڈیجیٹل کمپریشن سے گزار کر اسے محفوظ کر دیا۔ جس عکس کو آئینے میں بدلی ہوئی سمت میں دیکھا، وہ اپنی اصل سمت میں کیسا نظر آتا ہے —؟ اسی طرح کاغذ پر تصویر کئی مرتبہ کی سمتوں کے ردّوبدل کا نتیجہ ہے۔

ہم اپنے اور لوگوں کے لئے ہزار زاویوں، عکس، تاثرات اور یادوں کا مجموعہ ہیں۔ ہر وہ شخص جس نے ہمیں دیکھا ہے، اس کے ذہن میں ہمارا چہرہ کچھ مختلف ہے۔ ہم اپنے لئے بھی ایک نہیں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جسے ہم اپنا آپ سمجھتے ہیں، وہ کہیں موجود نہیں ہے۔

ہم اپنی خوش فہمی اور غلط فہمی کا عکس ہیں۔ عکس کو اصل سمجھتے ہیں جب کہ عکس غیر مستقل ہے۔ چاند، سورج اور مصنوعی روشنیاں نہ ہوں تو ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ آئینہ نہ ہو، پانی اور روشنی آئینے کا کام نہ دیں تو اصل دور کی بات، عکس کو دیکھنے کے لئے کسی اور میڈیم سے ہم واقف نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے،

اصل میں ہماری شکل کیسی ہے؟

اسے کیسے دیکھیں —؟

جب کہ دیکھنے کا "راستہ" موجود ہے۔

تلاش کیجئے اور لکھ کر بھیجئے۔

فرزانہ پرویز

فاسفورس کا شعور

ہمیں لہروں کے تار نظر نہیں آتے۔ جس روز ہم ان تاروں کو دیکھ لیں تو معلوم ہوگا کہ یہاں ہر شے بشمول ہوا، کٹھ پتلی کی طرح تاروں سے بندھی ہوئی ہے۔

زندگی آواز کے سوا کیا ہے—؟

کائنات کا وجود اور قیام "آواز" کا مرہونِ منت ہے۔ آواز زندگی کا موجب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے یقینِ قلب کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے—؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

"وہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جب ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ میرے مالک! مجھے دکھا دیں، آپ مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ فرمایا، کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کیا، ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ فرمایا، اچھا، چار پرندے لے اور انہیں اپنے سے مانوس کرلے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں پکار۔ وہ دوڑتے ہوئے تیرے پاس آجائیں گے۔ جان لے کہ اللہ بااقتدار اور حکیم ہے۔" (البقرۃ:۲۶۰)

آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے کہ چار پرندوں کے مردہ اجسام کے ایک ایک ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر تھے۔ مانوس آواز سنتے ہی ہر پرندے کے ٹکڑے یکجا ہوئے اور انہوں نے آواز کی سمت پرواز کی۔

آواز کی ترسیل میں "ہوا" کا کردار اہم ہے۔ نظامِ کائنات پر غور کرنے سے ادراک ہوتا ہے کہ آواز کو ایک مقام سے کسی مقام تک پہنچانے اور پرواز میں، خواہ پرندوں کی ہو یا ہوائی جہاز کی، ہوا کی کلیدی حیثیت ہے۔

زمین ہماری رہائش گاہ ہے۔ یہ کارخانے کی طرح ہے۔ جیسے اسٹیل مل میں اسٹیل سے بنی ہوئی مختلف شکل، حجم، جسامت اور وزن کی اشیا تیار ہوتی ہیں، پلاسٹک اور المونیم کے کارخانوں

میں المونیم اور پلاسٹک کی اشیا بنتی ہیں، اسی طرح زمین پر نظر آنے والی تمام چیزیں مٹی کا روپ بہروپ ہیں۔ سونا بھی مٹی ہے اور غذائی اشیا بھی مٹی ہیں۔ حیوانات، نباتات، جمادات، آدمی اور زمین پر رہنے والی ساری مخلوقات مٹی کا لباس ہیں۔ مٹی کے اندر خلا ہونا مٹی کی خصوصیت ہے۔ ان خلاؤں میں سے ہوائیں گزرتی ہیں۔ ہوائیں نزولی اور صعودی کیفیت رکھتی ہیں اور سانس کے قائم مقام ہیں — یہ کہیں سے آتی ہیں، قیام کرتی ہیں اور لوٹ جاتی ہیں۔ جتنی دیر ان کا قیام ہوتا ہے، اسے زندگی کہتے ہیں اور جب یہ لوٹتی ہیں تو مٹی بکھرتی ہے اور خلا—خلا سے مل جاتا ہے۔

"اور ہواؤں کی گردش میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

(الجاثیہ: ۵)

ہر شے کی تخلیق میں مٹی اور دیگر عناصر جیسے آگ، ہوا، پانی اور ان سب کی آمیزش سے بنی دھات اور معدنیات، معین مقداروں کے ساتھ موجود ہیں۔ جنات میں فاسفورس کی مقدار آدمی سے زیادہ ہے لیکن فاسفورس دونوں میں ہے۔ مقداریں باشعور ہیں اور شناخت کا سبب ہیں۔ جب آدمی جن کو دیکھتا ہے یا جن آدمی سے ملتا ہے تو دونوں کے اندر فاسفورس کا شعور ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہی صورت دوسرے عناصر کی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مقناطیس، مقناطیس کو کھینچتا ہے۔

ہوا کے کردار پر غور کریں تو یہ موسموں کے آنے جانے اور ان کے قیام کا ذریعہ ہے۔ نباتات کی نشوونما اور افزائش میں ہوا کا حصہ ہے۔ حیوانات، جمادات اور تمام مخلوقات میں سانس کے لئے فضا میں ضروری گیسوں کو رواں رکھنا، ہوا کی آمدورفت ہے۔ بارش کے نظام کا انحصار ہوا کے اوپر ہے۔ ہوا کا نظام زندگی کو زندگی سے کس طرح ملاتا ہے، سمجھنے کے لئے یہ آیت پڑھئے اور اس پر تفکر کیجئے۔

"اور وہ اللہ ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوش خبری لئے ہوئے بھیجتا ہے۔ پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھا لیتی ہیں تو انہیں کسی مردہ زمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں مینہ برسا کر طرح طرح کے پھل نکال لاتا ہے۔ دیکھو، اس طرح ہم مردوں کو حالتِ موت سے نکالتے ہیں تاکہ

تم اس سے سبق لو۔" (الاعراف: ۵۷)

آواز کی لہریں ہوا کے دوش پر چلتی ہیں۔ گرمی بڑھ جائے تو ہم کہتے ہیں کہ آج ہوا بند ہے، حبس ہے، ہوا نہیں چل رہی — لیکن یہ جملے بھی کان کے پردوں سے تب ٹکراتے ہیں جب فضا میں ہوا موجود ہو۔ ہوا بند ہو جائے تو سانس لینے کے لئے ضروری گیسوں کی "نقل و حرکت" رک جائے گی۔

اڑنے والی مخلوقات ہوا کی لہروں پر پرواز کرتی ہیں۔ ہمیں لہروں کے تار نظر نہیں آتے۔ جس روز ہم ان تاروں کو دیکھ لیں تو معلوم ہو گا کہ یہاں ہر شے بشمول ہوا، کٹھ پتلی کی طرح تاروں سے بندھی ہوئی ہے، کہیں سے تار ہلتے ہیں اور زندگی حرکت کرتی ہے۔

بہت سے پرندوں کی اڑان سیکڑوں فٹ بلند اور میلوں میل طویل ہوتی ہے۔ ہوا ان کو لے کر جاتی ہے۔ ہوا کے خاندان ہیں اور سب اپنے اپنے علاقوں میں رہتے ہیں۔ کہیں ہوا بھاری ہے اور کہیں ہلکی۔ اندر میں آنکھ دیکھتی ہے کہ پرندوں کی پرواز اور ہجرت، ہوا کے ایک فرد کی ذمہ داری نہیں ہے، علاقہ بدلتے ہی ہوا بھی بدلتی ہے۔ پرندوں کی طرح سمندر اور دریاؤں میں کشتی، جہاز اور خود سمندر کی موجیں بھی ہوا کے دوش پر آگے بڑھتی ہیں۔

"اس کی نشانیوں میں سے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو چلانا بھی ہے اس لئے کہ تمہیں اپنی رحمت سے لطف اندوز کرے اور اس لئے کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لئے کہ اس کے فضل کو تم ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو۔"

(الروم: ۴۶)

کشتیوں کے پانی پر چلنے کے حوالے سے ہوا کی اہمیت کے بارے میں قرآن کریم میں ہے،

"اللہ جب چاہے ہوا کو ساکن کر دے اور یہ سمندر کی پیٹھ پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔"

(الشوریٰ: ۳۳)

تفکر — روحانیت کی روح ہے۔ روحانی علوم میں باریک سے باریک اور معمولی نظر آنے والے نکتے پر بھی غور و فکر کی تاکید کی جاتی ہے اور اس کی تخلیق کے مراحل کو بطور سبق پڑھایا

جاتا ہے۔ بندہ جتنا غور کرتا ہے، پرت در پرت تخلیقی نظام سے پردے اٹھتے ہیں اور دل، اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے لئے وافر مقدار میں وسائل تخلیق کئے ہیں اور اس نظام کا علم انسان کو عطا کیا ہے، جتنا اللہ نے چاہا۔

"پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے ہر شے معین مقداروں سے تخلیق کی اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔"

(الاعلیٰ: ۱۔۳)

ہر شے کو اپنی ذمہ داریوں کی ہدایت دے دی گئی ہے، وہ اپنے فرائض سے واقف ہے اور اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق اپنا کردار احسن طریقے سے نبھا رہی ہے اور اپنے خالق کو جانتی ہے۔ بات آدمی پر آکر رک جاتی ہے۔

مخلوقات میں آدمی کہاں کھڑا ہے؟

کیا آدمی تابع دار ہے؟

اپنے خالق سے واقف ہے؟

آدمی خود کو اشرف المخلوقات کہتا ہے لیکن جب ہوا چلنا رکتی ہے تو شور مچا دیتا ہے۔ ہوا آدمی کی پابند ہوئی یا آدمی ہوا کے ماتحت ہوا؟

یہ آدمی کا ذکر ہے، انسان کا نہیں۔

ہوا ہماری طرح مخلوق ہے۔ مخلوق کی تعریف ہے کہ وہ گھٹتی ہے، بڑھتی ہے، ظاہر ہوتی ہے، غائب ہوتی ہے پھر کہیں اور ظاہر ہو جاتی ہے لیکن نظام نہیں رکتا۔ اللہ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں ہے۔ آدمی جب تعطل کا شکار ہوتا ہے اور تغیر کے سوا کچھ نہیں دیکھتا تو اسے معلوم ہوجانا چاہئے کہ اس نے وہ راستہ اختیار کیا ہے جس پر چلنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

مخلوق حواس کا پیکر ہے اور سب میں حواس کی درجہ بندی الگ الگ ہے۔ درجہ بندی سے مراد صلاحیتیں ہیں جو نوعی اعتبار سے سب کو علیحدہ علیحدہ تفویض کی گئی ہیں۔

ہوا پیدا ہوتی ہے، جوان ہوتی ہے اور بوڑھی ہو جاتی ہے۔ ہماری طرح ہوا کی بھی شکل ہے۔

محترم عظیمی صاحبؒ فرماتے ہیں،

"ہوا ایک مخلوق ہے۔ اس مخلوق میں تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ ہوا بچپن کا دور گزار کر جوان ہوتی ہے اور جوانی کے بعد اس پر انحطاط بھی ہوتا ہے۔ ہوا ایک جرثومہ ہے جو ثابت

مسور کی دال کی طرح ہے۔ یہ گول، چپٹا اور چکنا جرثومہ بیکٹیریا سے زیادہ چھوٹا اور بیکٹیریا سے زیادہ تیزی سے نشوونما پاتا ہے۔ ہوا کی تخلیق کے زون کھلے ریگستان اور سمندر کی اندرونی سطح ہے۔ زمین کے اندر ایک مخلوق ٹڈی (Grasshopper) ہے۔ ٹڈی زمین میں سے نکل کر جب فضا میں اڑتی ہے تو اتنی زیادہ تعداد میں ہوتی ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان پردہ بن جاتی ہے اور زمین پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ہوا کی مخلوق ٹرانسپیرنٹ ہوتی ہے اور ہوا کے جرثومے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ وہ مادی آنکھ اور دوسرے خردبینی آلات سے نظر نہیں آتے لیکن جب ان کی رفتار میں شدت ہوتی ہے تو وہ آندھی اور ہوائی طوفان بن جاتے ہیں۔ بڑی بڑی فلک بوس عمارتوں اور دیوہیکل مشینوں اور بڑے بڑے شہروں کو سیکنڈوں میں نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ ہوا کی مخلوق پر سبز رنگ غالب ہے لیکن جب ہوا میں شدت آجاتی ہے تو سرخ رنگ غالب ہو جاتا ہے۔ ہوا میں وہ تمام رنگ بھی موجود ہیں جو دوسری مخلوقات میں ہیں۔"

(کتاب: خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ، جلد دوم)

> باباتاج الدین ناگپوریؒ فرماتے ہیں
> ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کارفرما ہے۔ اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے — چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوائیں خوشی کی نوید لاتی ہیں۔ نسیمِ سحر میں وافر مقدار میں آکسیجن ہوتی ہے جو لاشمار فوائد رکھتی ہے لیکن اگر ہوا کی رفتار بڑھ جائے تو یہ تباہی بھی لا سکتی ہے۔ نسیمِ سحر، ہوا کے جھکڑ، آندھی اور سمندری طوفان، ہوا میں زندگی کی نشانیاں ہیں۔ نشانیاں منزل کی راہ دکھاتی ہیں۔ اللہ نے تخلیقات کو اپنی نشانیاں فرمایا ہے یعنی ان پر تفکر سے فہم اس مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں معرفت حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں آنا، یہاں کے روز و شب گزارنا، اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے وسائل کو استعمال کرنا پھر یہاں سے واپسی — زندگی کے مراحل اور وسائل پر غور و فکر کو شعار بنایا جائے تو زندگی کا ہر مرحلہ معرفت کی آواز ہے اور "آواز" سے ہم سب مانوس ہیں۔

عظیمی

روغن گلوسبز

پُرسکون نیند لاتا ہے

سر کے جملہ امراض اور

ہائی بلڈ پریشر میں مفید ہے

چاند کی کرنیں جذب کر کے تیار کیا جاتا ہے

125ml

Rs. 500

پاکستان بھر میں ہوم ڈلیوری کی سہولت

0332 308 5058

حامد ابراہیم

سلطان ـــ؟

”دنیا کا کوئی فرد اُس وقت تک چاند میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک جسمِ مثالی سے واقف نہ ہو۔ نہ صرف یہ کہ جسمِ مثالی سے واقف ہو بلکہ ارادے اور اختیار سے جسمِ مثالی کے ساتھ سفر کر سکتا ہو۔“

گاؤں بجلی کی سہولت سے محروم تھا۔ مصنوعی روشنی کی آلودگی کے بغیر آسمان شفاف نظر آتا اور ستاروں کی دنیا کے حسین مناظر نگاہ بنتے۔ بڑے بوڑھے ستاروں کے جھرمٹ، مخصوص ستاروں کے نام، موسموں کے اعتبار سے ان کے طلوع و غروب کے اوقات اور ان کو دیکھ کر رات کے کسی بھی پہر وقت کا کافی حد تک درست اندازہ لگا لیتے تھے۔ گرمیوں میں چھت یا صحن میں چارپائیاں بچھائی جاتیں اور اکثر لوگ دیر تک ستاروں کی دنیا دیکھتے۔

پانچ سال کے بچے نے ماں سے پوچھا، ستاروں کے ساتھ آسمان کے درمیان طویل روشن لکیر کیا ہے؟ ماں نے توقف کے بعد جواب دیا، پُتر! یہ فرشتوں کا راستہ ہے۔

دادی، نانی اور مائیں اکثر یہی جواب دیتیں۔

ماہرینِ فلکیات بتاتے ہیں کہ دودھیا راستہ دراصل ہماری کہکشاں کے مرکزی حصے کی ایک جانب کا منظر ہے اور اس کہکشاں کا نام ملکی وے (Milky Way) بھی اسی وجہ سے ہے۔

اوپر نظر آنے والا آسمان، پورے آسمان کا ایک حصہ ہے، باقی حصہ زمین کے پیچھے چھپا رہتا ہے۔ درمیانی روشن راستے (ملکی وے) پر نظر مرکوز کی جائے تو ابتدا میں روشن دھند نظر آتی ہے پھر لاشمار روشن نقطوں کا احساس ہوتا ہے۔

اگر چار سے چھ انچ چوڑے عدسوں کی خلائی دوربین کو ملکی وے کے وسط میں مرکوز کیا جائے تو دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ تاحدِّ نظر ستارے ریت کے ذرّوں کی طرح اکٹھے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ یہ مادی شعور کا مشاہدہ ہے اور محدود ہے پھر بھی شعور نئی وسعتوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔

الفاظ مشاہدے کے قائم مقام نہیں ہو سکتے لہٰذا تجربہ اور مشاہدہ ضروری ہے۔

★ —— ★ —— ★

پاکستان میں مئی سے اگست تک آدھی رات کو ملکی وے یعنی روشن راستہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی دوسری بڑی نشانی یہ ہے کہ ستاروں کا جھرمٹ "قوس" ہمیشہ ملکی وے کے وسطی حصے کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ آدمی کی شماریات سے زیادہ یہ روشن نقطے دراصل الگ الگ نظامِ شمسی ہیں۔ چند نقطے ہمارے نظامِ شمسی کے سیارے ہیں۔ ہر روشن نقطہ اپنے نظام کا سورج ہے جس کے گرد محوِ گردش سیارے کم روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ ذہن میں سوال آتا ہے،

① کائنات کتنی بڑی ہے؟
② اس میں کل کتنی کہکشائیں ہیں؟
③ کتنے نظامِ شمسی ہیں؟
④ کتنی زمینیں ہیں؟
⑤ ان زمینوں پر زندگی کی نوعیت کیا ہے؟

اگر زمینی شعور سے جواب تلاش کریں تو ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے کیوں کہ یہ شعور زمین کے کناروں تک محدود ہے، تخریب اور تغیر پر مبنی ہے لہٰذا زمین سے باہر کی دنیا کا مشاہدہ صفر رہتا ہے اور مفروضات پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔

مثال: ایسے لوگوں اور محققین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو چاند پر اترنے کے واقعے کو حقیقی نہیں مانتے۔ بعض محققین ٹھوس وجوہات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چاند پر جانے کی فلم "اسٹوڈیو فلم" ہو سکتی ہے۔

قارئین خواتین و حضرات جانتے ہیں کہ کائناتی رموز کے امین، اللہ کے دوست محترم عظیمی صاحبؒ برسوں پہلے چاند پر جانے کے دعوے کو بے بنیاد قرار دے چکے ہیں۔ تفصیل کتاب "احسان و تصوف*" میں تحریر ہے۔

★ —— ★ —— ★

زمین سے نکلنے کا فارمولا قرآن کریم میں ہے،

"اے گروہِ جنات اور انسان! تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل کر دکھاؤ، تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔"

(الرحمٰن: ۳۳)

سلطان کیا ہے ــــ؟

محترم عظیمی صاحبؒ فرماتے ہیں،

"سلطان انسان کے اندر اُس کی روح ہے۔"

* کتاب "احسان و تصوف"، بہاالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ایم اے اسلامیات کے نصاب کا حصہ ہے۔

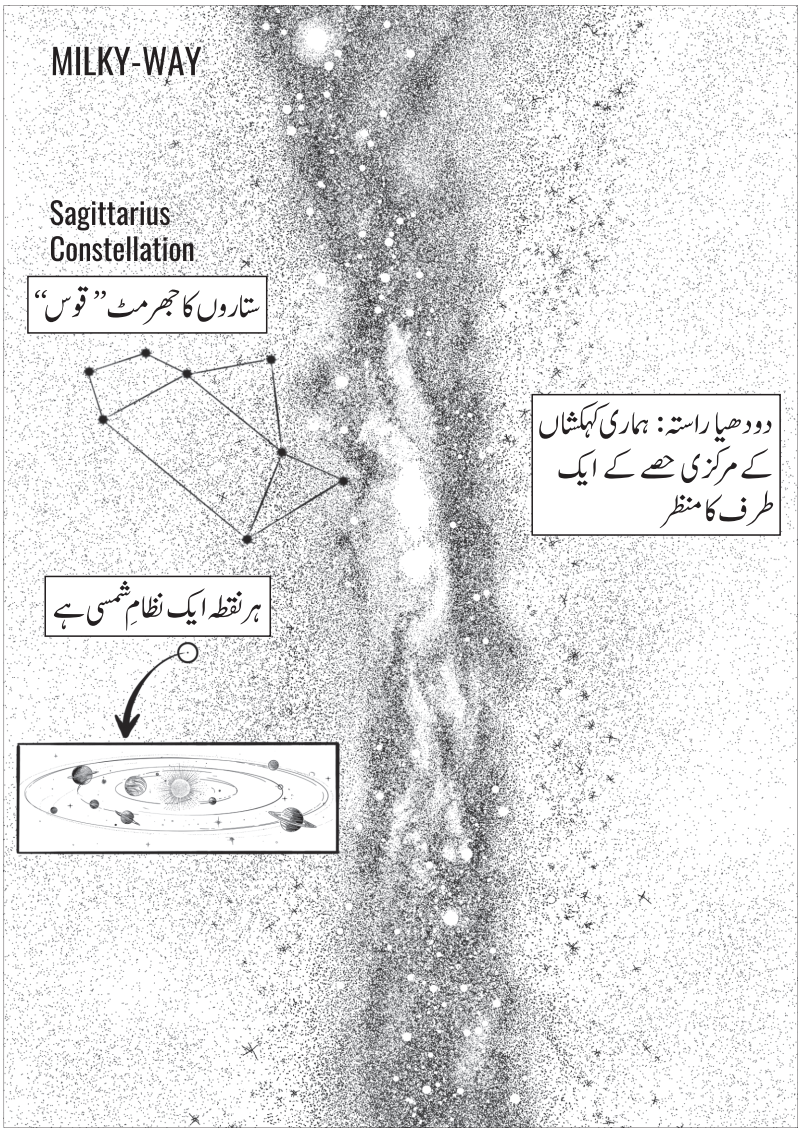
MILKY-WAY
Sagittarius
Constellation
ستاروں کا جھرمٹ ”قوس“
دودھیا راستہ: ہماری کہکشاں
کے مرکزی حصے کے ایک
طرف کا منظر
ہر نقطہ ایک نظامِ شمسی ہے

ایک اور موقع پر فرمایا،

"سلطان سے مراد یہ ہے کہ اگر تم اپنی روح کو تلاش کرلو، اُس روح کو جس روح نے عالمِ ارواح میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے تو تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو۔"

★ —— ★ —— ★

خلا بازی مادی تحقیقات میں بڑی پیش رفت ہے لیکن خلا میں جانے والے راکٹ کے کَل پرزے زمینی عناصر سے بنے ہیں۔ مٹی سے وہی شے آزاد ہوسکتی ہے جس کی بساط روشنی ہو۔

نیند اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ دنیا کا ہر فرد خواب میں مٹی کے جسم سے ماورا روشنی کے جسم کے ذریعے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ یہ جسم مادیت کا پابند نہیں اور نہ زمین کی حدود میں قید ہے لیکن مٹی کے شعور میں قید ہونے کی وجہ سے آدمی نیند کی دنیا میں بھی خود کو مٹی کے لباس میں دیکھتا ہے۔

الہامی کتابیں آگاہ کرتی ہیں کہ کائنات میں لاشمار عالمین، کہکشائیں، نظامِ شمسی اور زمینیں موجود ہیں۔ جنات اور انسان مکلّف مخلوق ہیں، انہیں متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ روح کا علم حاصل کرکے زمین سے باہر دنیاؤں میں جاسکتے ہیں۔

ناظر ایک وقت میں ایک ستارے پر نظر مرکوز کرسکتا ہے۔ ہر روشن نقطہ الگ اور مکمل نظام ہے۔ ہر نظام کے سورج، سیاروں اور ان میں آباد مخلوقات کی تخلیقی مقداریں منفرد ہیں۔ ہر زمین کی مخلوق اس زمین کی مٹی یا عناصر سے بنے لباس میں ظاہر ہوتی ہے لہٰذا اس زمین کے کناروں سے نہیں نکل سکتی جب تک کہ جسمِ مثالی یعنی روشنی کے جسم کا علم حاصل نہ کرلے۔

محترم عظیمی صاحبؒ فرماتے ہیں،

"دنیا کا کوئی فرد اُس وقت تک چاند میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک جسمِ مثالی سے واقف نہ ہو۔ نہ صرف یہ کہ جسمِ مثالی سے واقف ہو بلکہ ارادے اور اختیار سے جسمِ مثالی کے ساتھ سفر کرسکتا ہو۔"

چاند، زمین کے کناروں سے باہر ایک الگ وجود ہے۔ روشنی مادے کی قید سے آزاد ہے اور کائنات میں کہیں بھی سفر کرسکتی ہے لہٰذا جسمِ مثالی سے واقف بندہ چاند اور دوسری دنیاؤں کی سیر کرسکتا ہے۔

★ —— ★ —— ★

رات کو کھلے ہموار میدان میں کھڑے ہوں

تو آسمان ہر طرف سے بہت بڑے گنبد یعنی نصف کُرے کی طرح نظر آتا ہے۔ اس گنبد کا ہر ذرّہ ایک نظامِ شمسی ہے۔ جسمِ مثالی کا علم رکھنے والا جب کسی ایک نقطے (ستارے) پر توجہ مرکوز کرتا ہے تو بظاہر مادی جسم زمین پر رہتا ہے لیکن جسمِ مثالی اس نظام کی زمینوں کی سیر کرتا ہے، رنگ رنگ مخلوق دیکھتا ہے، اللہ کی صنّاعی اور اس میں تنوّع کا مطالعہ کرتا ہے۔

آپ نے نامیاتی مادوں کے بارے میں سنا ہے۔ یہ کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن اور آکسیجن وغیرہ پر مشتمل مخصوص ترکیب کے مادے ہیں جو مخلوق کی ساخت میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی زمین پر آدم و حیوان مٹی اور کسی زمین پر پتھر کے لباس میں ہیں لیکن مجسمے کی طرح جمے ہونے کی بجائے متحرک ہیں۔ ہماری زمین پر عملِ تبخیر (evaporation) کا نظام غالب ہے — مائع، بخارات یا گیسوں میں تبدیل ہوتی ہے۔ پتھر کی زمین پر Sublimation یعنی عملِ تصعید — ٹھوس مادے کا براہِ راست گیسوں میں تبدیل ہونے کا نظام ہے۔ کہیں مخلوق کے جسم ربڑ کی مانند ہیں تو کہیں ہیرے جواہرات کی طرح جگ مگ کرتے ہیں۔ ہر زمین کی مخلوق کا ظاہری لباس دوسری زمین کے باسیوں کے لئے عجوبہ اور حیرت کدہ ہے۔

رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

"اور اسی طرح آدمیوں، جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔ بے شک اللہ کی خشیت لوگوں میں ان کو حاصل ہے جو علم رکھتے ہیں۔" (فاطر۔۲۸)

رنگ مقداروں کا تمثّل اور بصری اظہار ہیں۔ عالمین کے تناظر میں اس آیت کی تفہیم لامحدود وسعت رکھتی ہے۔

کتاب "احسان و تصوف" میں تحریر ہے،

"ہماری دنیا کی طرح کروڑوں دنیائیں اور بھی موجود ہیں۔ دوسری دنیاؤں کے مقابلے میں ہماری زمین سب سے چھوٹا کُرہ ہے۔ سیر کے دوران صوفی کو ہماری زمین ایسی نظر آتی ہے جیسے بڑے گنبد پر سوئی کی نوک سے نشان لگا دیا جائے۔"

روحانی سیر اور مشاہدے پر مبنی اس اقتباس سے سمجھنا آسان ہے کہ ایک زمین یعنی ایک نقطے تک محدود ذہن دیگر دنیاؤں کا صحیح ادراک نہیں کر سکتا۔ مادی شعور، اس پر مبنی مادی علوم، ان میں ارتقا اور ترقی اپنی انتہا پر بھی عناصر کے

خول یعنی زمین کے کناروں کے اندر رہتے ہیں۔ مادی محققین جہاں دوسری دنیاؤں اور آسمانوں سے متعلق مفروضات کے گھوڑے دوڑاتے ہیں— وہاں روحانی انسان ان دنیاؤں کا بنفسِ نفیس مشاہدہ کرتا ہے۔

★ —— ★ —— ★

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے کائنات کی ساخت کا واضح نقشہ پیش کیا ہے۔

"ایک کتاب المبین ← ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوحِ محفوظ ← ایک لوحِ محفوظ میں اسّی ہزار حضیرے ← ایک حضیرے میں ایک کھرب سے زیادہ مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام ← ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرۂ وسعت ہوتا ہے۔ ہر سورج (Star) کے گرد نو، بارہ یا تیرہ سیارے گردش کرتے ہیں۔"

ایک ارب آباد نظام اور بارہ کھرب غیر آباد نظام میں ایک اور بارہ کی نسبت ہے۔ سمجھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آسمان پر نظر آنے والے ہر تیرہ سیاروں میں سے بارہ غیر آباد نظامِ شمسی اور ایک "آباد نظامِ شمسی" ہے۔ غور طلب ہے کہ نظام میں سے کسی ایک سیارے کو آباد نہیں بتایا گیا، پورے نظام کو آباد بتایا گیا ہے۔

محققین کا یہ کہنا کہ ہمارے نظامِ شمسی میں صرف ہمارا سیارہ آباد ہے— عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، یورانس، نیپچون، پلوٹو وغیرہ غیر آباد ہیں، سراسر قیاس ہے۔ ہماری دوربینیں اُن سیاروں پر کسی مخلوق کو کیوں نہیں دیکھتیں—؟ یہ قدرت کے رموز ہیں جنہیں جسمِ مثالی کے ذریعے اُن سیاروں پر جا کر مشاہدہ کئے بغیر سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

سائنسی مثال: ذیل میں مثال سے کسی حد تک یہ معاملہ سمجھا جا سکتا ہے۔

"ہماری زمین ایک پورا نظام ہے۔ ہر نظام اپنی ایک مجموعی اور منفرد فریکوئنسی رکھتا ہے جیسے ایک ریڈیو اسٹیشن پر ٹیون کیا گیا ریڈیو سیٹ صرف اُسی اسٹیشن کی آوازیں سنواتا ہے اور دوسرے اسٹیشنوں کی لہریں موجود ہو کر بھی غیر موجود یعنی چھپی رہتی ہیں۔ اسی طرح ایک کُرے کا نظام مخلوق کے مادی حواس کو اُسی کُرے تک محدود رکھتا ہے۔"

محمد عثمان

حضرت انسان علی شاہؒ

”تغیر اور ارتقا کے مرحلے اندرونی واردات کے اجزا ہیں۔ یہ واردات ہی نوعی سراپا کی نقلیں افراد کی شکل وصورت میں چھاپتی ہیں۔ چھپائی کی رفتار معین ہے — اسی رفتار کا نام وقت ہے۔“

بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے علم و حکمت کے جو چراغ روشن کئے، ان میں ایک نمایاں نام حضرت انسان علی شاہؒ کا ہے۔ روحانی نسبت کی بدولت ان کی فکر وفہم میں بابا تاج الدینؒ کی طرز فکر کا رنگ نمایاں تھا۔

والدین نے کیا نام رکھا، دستیاب معلومات میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ جس نام سے وہ مشہور ہوئے، وہ بابا تاج الدینؒ کا دیا ہوا ہے۔

انسان علی شاہؒ 1845ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید مردان علی اور والدہ کا نام بیگم جان تھا۔ عمر ایک ماہ تھی کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ نانا اور نانی نے کفالت کی۔ وہ مالی اور اخلاقی طور پر صاحبِ حیثیت خاندان سے تھے۔ نانا طاہر علی ریاست چھتیس گڑھ کے گاؤں لُترا شریف کے بڑے مال گزاروں* میں سے ایک تھے۔ مذہب سے لگاؤ تھا اور زندگی فلاحی کاموں کے لئے وقف تھی۔ لوگ ان کے معترف* تھے۔

انسان علی شاہؒ نے بچپن سے آسائشوں سے بھرپور، خوش حال زندگی دیکھی۔ قیمتی نفیس لباس پہنتے اور اعلیٰ نسل کے گھوڑے پر سواری کرتے تھے لیکن مزاج میں عاجزی اور انکسار تھا۔ شخصیت اخلاقی قدروں کا پیکر تھی۔

نانا طاہر علی کی رفاقت سے مذہب کی جانب میلان ہوا۔ فلاحی کاموں میں شریک ہونے لگے۔ گاؤں میں مسجد تعمیر کروائی جس کی امامت خود کرتے تھے۔ مہمان نواز، ہمدرد اور انسان دوست تھے۔ مسافروں اور گاؤں کے لوگوں کو کھانا کھلا کر خوش ہوتے تھے۔

* مال گزار (زمین دار) * معترف (تسلیم کرنے والے، قدر دان)

انسان علی شاہؒ کی عمر 22 برس ہوئی تو باطنی دنیا کی طرف میلان ہو گیا یہاں تک کہ جذب و استغراق غالب آ گیا۔ کیفیت یہ ہونے لگی کہ جذب کے عالم میں لوگوں کو مارنے دوڑتے۔ گھر والوں نے دماغی مرض سمجھا اور علاج کرایا لیکن جب حالت نہیں سنبھلی تو فیصلہ ہوا کہ ان کو بزرگوں کے مزارات پر لے جایا جائے۔

چند افراد ہندوستان کی معروف درگاہوں پر لے کر گئے۔ حیرت یہ تھی کہ وہ جس مزار میں داخل ہوتے، جذب کی کیفیت مغلوب ہو جاتی۔ جتنی دیر وہاں رہتے، ہوش و حواس میں ہوتے لیکن مزار سے باہر نکلتے ہی جذب طاری ہو جاتا۔

مزاروں پر حاضری کے بعد انسان علی شاہؒ کو اپنے گاؤں لُترا واپس لایا گیا۔ وہی کیفیت تھی جو گاؤں سے جانے سے پہلے تھی۔ پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئی تھیں کہ قابو میں رہیں۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ ایک جگہ رہ گئی ہے، وہاں جا کر ان کی صحت بہتر ہو سکتی ہے۔ کوشش کر کے دیکھ لینا چاہئے۔

—•◎•—

گھر والے انسان علی شاہؒ کو لے کر شکر درہ پہنچے۔ یہاں راجا رگھو راؤ کے محل کے ایک حصے میں بابا تاج الدینؒ کا دربار تھا جہاں خاص و عام لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ راجا رگھو راؤ، بابا صاحبؒ سے بہت عقیدت رکھتے تھے اور محل کا ایک حصہ ان کے لئے مختص کر دیا تھا۔

جب انسان علی شاہؒ کو خدمت میں پیش کیا گیا تو بابا صاحبؒ نے دیکھتے ہی فرمایا،

”ارے، یہ تو بڑے صاحب ہیں۔ روشن چراغ ہیں۔ میرے بعد سی پی کے بادشاہ ہوں گے۔ ان کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں توڑ دو۔ اب ان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچے گی۔“

بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔

حاضرین نے دیکھا کہ جذب و بے قراری، سکون میں بدل گئی اور ہوش غالب آ گیا۔ اس طرح باطنی سفر کی ایک منزل طے ہوئی۔

—•◎•—

انسان علی شاہؒ متمول گھرانے کے فرزند تھے اور مالی طور پر زندگی راحت و آرام میں گزری تھی، چوں کہ طریقت کی راہ میں قدم رکھا تھا لہٰذا آزمائش ضروری تھی۔

بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے نواسے ابدالِ حق

قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں کہ بابا تاج الدینؒ نے انسان علی شاہؒ سے فرمایا،

"اگر تم ناگ پور سے مدراس تک بھیک مانگتے جاؤ اور واپس آؤ تو میں تمہیں بیعت کرلوں گا۔"

انسان علی شاہؒ جیسے صاحبِ ثروت شخص نے بابا صاحبؒ کے حکم پر عمل کیا اور حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے۔ بابا تاج الدینؒ نے آپ کو "انسان" کا نام دیا۔

—◎—

انسان علی شاہؒ شکر درہ میں ٹھہر گئے۔ کچھ عرصہ پیر و مرشد بابا تاج الدینؒ کی خدمت اور تربیت میں رہے۔ اس کے بعد اپنے گاؤں آ گئے۔ وہ پہلے ہی عام لوگوں سے مختلف تھے، جب گاؤں واپس آئے تو نئی پہچان کے ساتھ لوٹے۔ اب سر پر بابا تاج الدینؒ کا ہاتھ تھا۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ کسی پہاڑی پر چلے جاتے یا رات کی خاموشی میں عبادت اور غور و فکر کرتے۔ کبھی گھنے جنگلوں میں بیٹھتے تو کبھی پُرسکون ماحول میں تالاب کے کنارے مراقبہ کرتے۔ ان سے کرامات صادر ہونے لگیں، خبر قرب و جوار میں پھیلی اور رفتہ رفتہ لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ دور دراز سے لوگ حاضر ہوتے اور خوشی خوشی واپس لوٹتے۔

—◎—

حضرت انسان علی شاہؒ کے پردادا سید حیدر علی چھتیس گڑھ کے رہائشی تھے لیکن یہ ان کا آبائی علاقہ نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سید حیدر علی اپنے اہل و عیال کے ہمراہ دہلی سے بھوپال کے راستے سرگوجہ پہنچے پھر رتن پور آئے۔ بعد ازاں رتن پور اور بچھوڑا گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ یہ بھی روایت ہے کہ خاندان بیلاس پور میں مقیم ہوا اور یہاں انسان علی شاہؒ کی پیدائش ہوئی۔ بیلاس پور، دریائے ارپا کے کنارے واقع ہے اور چھتیس گڑھ کا اہم شہر ہے۔

حضرت انسان علی شاہؒ کو نانا سے ورثے میں جو زمینیں ملیں، شکر درہ سے واپس آ کر انہیں دینی اور روحانی خدمات کا مرکز بنایا۔

انسان علی شاہؒ روشن ضمیر اور باعلم تھے۔ بابا تاج الدینؒ سے روحانی فیض کی بدولت ان سے جن کرامات کا ظہور ہوا، ان میں ایک یہ ہے:

انسان علی شاہؒ، عقیدت مندوں کے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک بلند آواز سے کہا،

اوماں! بچ گئے رے۔

اوماں! بچ گئے رے۔

عقیدت مند حیران رہ گئے۔

چند روز بعد جیپ میں سوار کچھ لوگ حاضر ہوئے اور بزرگ کے قدموں میں گر پڑے۔

بات یہ سامنے آئی کہ ان لوگوں کی جیپ تیز رفتاری سے رواں تھی کہ ایک ٹائر پھٹ گیا اور گاڑی بے قابو ہو کر گہری کھائی میں گرنے والی تھی کہ اندر بیٹھے لوگوں نے دیکھا — حضرت انسان علی شاہؒ ظاہر ہوئے اور جیپ کو روک کر خوفناک حادثے سے بچالیا۔ گاڑی میں سوار لوگ شکریہ ادا کرنے کے لئے اترے تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

حضرت انسان علیؒ کی بہت سی کرامات تحریری ریکارڈ کا حصہ نہیں بن سکیں تاہم یہ بات یقینی ہے کہ بابا تاج الدین ناگپوریؒ سے حاصل فیض لاشمار مخلوق کے درد کی دوا بنا۔

—◎—

انسان علی شاہؒ صاحبِ بصیرت ہوئے تو نظامِ کائنات اور ''وقت'' کے رموز حاصل ہوئے۔

قلندر بابا اولیاؒ نے ''تذکرہ تاج الدین باباؒ'' میں ایک شخص کا ذکر کیا ہے جس کا لنگڑا پن بابا تاج الدینؒ کے تصرف سے ختم ہوا۔ نیز اس کرامت کی توجیہ انسان علی شاہؒ نے جن الفاظ میں بیان کی، اس کا بھی ذکر ہے۔

ابدالِ حق فرماتے ہیں،

ایک لنگڑا نوجوان شفاخانے میں آکر ٹھہر گیا۔ یہ شفاخانہ بھی مسجد اور مدرسے کی طرح پھونس کی جھونپڑیوں پر مشتمل تھا۔ لنگڑا صبح کھاپی کر شفاخانے سے چلتا اور نانا تاج الدینؒ کے سامنے آبیٹھتا۔ سلام کر کے لنگڑی ٹانگ پھیلا کر اپنا ہاتھ پھیرنے لگتا اور ایسا منہ بناتا کہ جیسے بڑی تکلیف میں ہے۔ نانّاؒ ''ہوں'' کہہ کر چپ ہو جاتے۔

اسی طرح دو مہینے گزر گئے۔

لنگڑا تھا بڑا اڑیل۔ اپنے معمول پر قائم رہا۔

ایک روز غصے میں بھرا ہوا آیا اور نانّاؒ کی طرف دیکھ کر بُڑبُڑانے لگا،

''اللہ نے مجھے لنگڑا کر دیا۔ جن کی ٹانگیں ہیں، ان کو کچھ احساس نہیں۔ ان سے تو میری بیساکھی اچھی ہے۔ سہارا تو دیتی ہے۔''

نانّاؒ اس کی باتیں سن کر جھنجلا گئے۔

چیخ کر بولے،

”جا دفان ہو۔ بھلا چنگا ہو کر لنگڑا بنتا ہے، جھوٹا کہیں کا۔“

یہ کہہ کر لنگڑے کو مارنے کے لئے دوڑے۔ لنگڑا بیساکھی چھوڑ بھاگا۔

اب اس کی لنگڑی ٹانگ بالکل ٹھیک تھی۔

قلندر باباؒ مزید فرماتے ہیں،

انسان علی شاہؒ — ناناؒ کے فیض یافتہ تھے۔ ان کو روحانی علوم پر عبور تھا اور سوچنے کی طرزیں بھی ناناؒ سے ملتی تھیں۔ انہوں نے ناناؒ کی حیات میں ترکِ وطن کر کے شکر درہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے لنگڑے کا یہ واقعہ زیرِ بحث آ گیا۔ انسان علی شاہؒ کہنے لگے،

”اس واقعہ کی توجیہ مشکل نہیں۔ یہ سمجھنا کہ کائنات ارتقائی مراحل طے کر رہی ہے، غلط ہے۔ یہاں ہر چیز صدوری طور پر ہوتی ہے۔ وقت صرف انسان کی اندرونی واردات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی شے اندرونی واردات کی حد سے باہر نہیں۔ تغیر اور ارتقا کے مرحلے اندرونی واردات کے اجزا ہیں۔ یہ واردات ہی نوعی سراپا کی نقلیں افراد کی شکل و صورت میں چھاپتی ہیں۔ چھپائی کی رفتار معین ہے — اسی رفتار کا نام ”وقت“ ہے۔ اگر اس رفتار میں کمی بیشی ہو جائے تو لنگڑا، لولا، اندھا چھپنے لگتا ہے۔ حوادث اسی طرح رونما ہوتے ہیں۔ جب عارف کا ذہن ایک آن کے لئے صدوری کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے تو یہ بے اعتدالیاں دور ہو جاتی ہیں۔“

یہ توجیہ فکر کی گہرائی کو ظاہر کرتی ہے۔

—◎—

عمر کے آخری دور میں حضرت انسان علی شاہؒ بیمار ہو گئے۔ عقیدت مندوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ 28 ستمبر 1960ء کو حضرت انسان علی شاہؒ کے لبوں پر پُراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ چاہنے والے خوش ہو گئے اور یہ سمجھے کہ طبیعت سنبھل رہی ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ دنیائے فانی کو چھوڑنے سے پہلے آخری مسکراہٹ ہے۔

اللہ کے دوستوں نے ہمیشہ بین المذاہب ہم آہنگی اور انسانیت کو مقدم رکھا ہے۔ ہر مذہب کے لوگ بیلاس پور کے علاقے لُترا شریف میں حضرت انسان علی شاہؒ کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں اور بامراد لوٹتے ہیں۔

تصرف کیا ہے ــــ؟

جب تک کسی شے کا علم وجود نہیں بنتا، اس وقت تک شے مظہر نہیں بنتی۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم اور وصف ہے۔ جب اللہ نے کائنات کو بنانا چاہا تو کائنات کے خدوخال، حرکات و سکنات، نقش و نگار اور کائنات کو زندہ رکھنے کے لئے وسائل کی فراہمی، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذہن میں پہلے سے موجود تھا۔ کائنات اور کائنات کے تمام اجزائے ترکیبی پہلے سے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھے اور اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجودگی اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

کائنات پہلے علم ہے پھر شے ہے۔ علمِ شے چوں کہ اللہ کا براہِ راست ذاتی علم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے علم کو دوام حاصل ہے۔ شے چوں کہ علم کے بعد کی مظاہراتی شکل و صورت ہے اس لئے اس کو فنا ہے۔

شے کی تخلیق میں یہ بات مخفی ہے کہ شے ہر آن گھٹتی ہے اور ہر آن بڑھتی ہے۔

گھٹنے بڑھنے کا عمل بالآخر فنا ہے۔

اللہ کا علم تجلّی ہے۔ تجلّی تنزل کرتی ہے تو نور بن جاتی ہے اور نور تنزل کرتا ہے تو روشنی بن جاتی ہے۔

مظہر ــــ تجلّی اور نور سے تخلیق ہوتا ہے، تجلّی اور نور میں گم ہو جاتا ہے۔

تصوف میں ایک اصطلاح ''تصرف'' ہے۔ تصرف یہ ہے کہ کسی شے کے خدوخال میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ تصرف یہ بھی ہے کہ انسانی خیالات، ارادے اور اختیار کو تصرف کے تابع کر دیا جائے۔

تصرف علمِ شے میں ہوتا ہے، شے میں نہیں ہوتا۔

باریک بین نظر سے دیکھا جائے تو کہا جائے گا کہ ساری کائنات اللہ کا تصرف ہے یعنی اللہ کے ذہن میں جس طرح علمِ شے تھا، اللہ تعالیٰ نے اس علم میں تصرف کر کے کائنات کو وجود بخش دیا۔

(کتاب: شرح لوح و قلم)

وہ چمن کہاں ہے ــــ؟

فارسی ادب میں ''مثنوی مولوی معنوی'' کا منفرد مقام ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف چھ دفاتر پر مشتمل ہے جن میں اشعار کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مثنوی کی تصنیف کا سبب مولانا رومؒ کے مرید حسام الدین چلپی بنے۔ مولانا رومؒ نے دفترِ اول کے علاوہ ہر دفتر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ مثنوی دلچسپ پیرائے میں ظاہر و باطن کا احوال ہے جس سے ہر شخص فہم و فراست کے مطابق حکمت حاصل کرتا ہے۔ یہ مثنوی سادگی، روانی، منقولات و معقولات، نصیحت آمیز جملوں، تلمیحات و استعارات اور دلچسپ واقعات و تمثیلات کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے قارئین کے لئے مولانا رومؒ کی مثنوی کا اردو ترجمہ اختصار کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں،

اولیا کے اندر نغمے ہیں۔ ان سے طالب علموں کو انمول زندگی حاصل ہوتی ہے۔ ان نغموں کو مادی کان نہیں سنتے اس لئے کہ پُر فریب دنیا کی باتوں میں دلچسپی لے کر آدمی کی حسِ سماعت پر آلودگی کی تہ چڑھ جاتی ہے۔

پری* کا نغمہ آدمی کی حسِ سماعت سے ماورا ہے اس لئے وہ پریوں کے راز سے نابلد ہے۔ اگرچہ پری کا نغمہ بھی اِسی دنیا کا ہے لیکن دل کا نغمہ دونوں نغموں سے بلند ہے اس لئے کہ پری اور آدمی قیدی ہیں۔ دونوں اسی نادانی کے قید خانے میں ہیں۔

اے نو آموز! سورۃ الرحمٰن پڑھ تاکہ تو اس راز سے واقف ہو۔ اس سورۃ کی یٰمعشرالجن والانس والی آیت پڑھ۔

''اے گروہِ جنات اور انسان! اگر تم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل کر دکھاؤ۔ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔''

(الرحمٰن: ۳۳)

اولیا کے باطنی نغمے کہتے ہیں کہ اے معدوم!

---

* پری سے مراد یہاں جنات کی دنیا ہے کیوں کہ پریوں کو جنات کی دنیا سے نسبت دی جاتی ہے۔

خبردار! مادی وجود کی نفی کر اور اس خیال اور وہم کو نکال پھینک۔

اے دنیا اور فساد میں ڈوبے ہوؤ! تم اب تک روح کی حقیقت سے ناواقف ہو جب کہ اللہ کے دوستوں کا مقام بہت آگے کا ہے۔ جب تم رہبر کی تلاش کروگے تو تم پر حقیقت کے نغمے کھلیں گے۔ اگر میں ان نغموں کا تھوڑا سا بیان کر دوں تو سوئے ہوئے بیدار ہو جائیں۔ یہ نغمے مردہ فکر کو بیدار کرتے ہیں۔ کان کو قریب کر، یہ نغمے تجھ سے دور نہیں ہیں لیکن ان کو تجھ سے نقل کرنے کا دستور نہیں ہے — ان نغموں کو سننے کی جدوجہد تمہیں خود کرنی ہے۔ مردے جب ان کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ آواز، آوازوں سے جداگانہ ہے۔

اے لوگو! دوست کی آواز پر عدم سے واپس آ جاؤ۔ وہ مطلق آواز شاہ کی ہوتی ہے، اگرچہ اللہ کے بندے کے حلق سے ہو۔

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اللہ نے اپنے دوستوں کے لئے فرمادیا ہے کہ میں تیری زبان اور آنکھ ہوں، میں تیرے حواس اور تیری رضا ہوں۔

جا — بی یسمع و بی یبصر* تو ہے۔

تو راز ہے چہ جائیکہ تو صاحبِ راز ہو۔ معانی یہ ہیں کہ جب تم راز سے واقف ہوگئے تو اب تم صرف رازداں نہیں، خود ایک راز ہو۔

جب کوئی اللہ کے عشق میں اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ کسی ولی کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو اس کے ذریعے سے دنیا کی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ جس جگہ تاریکی آتی ہے، اللہ کی تجلّی سے شمس الضحیٰ بن جاتی ہے۔ جس تاریکی کو سورج نہ اٹھا سکا، اللہ کے حکم سے وہ تاریکی چاشت بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر اپنی صفات ظاہر کیں۔ یہ صفات آدمؑ کے ذریعے سے آدمؑ کی اولاد پر منکشف ہوئیں۔ پانی خواہ نہر سے لو یا مٹکے سے، مٹکے کی مدد بھی نہر سے ہے۔ روشنی چاند سے

---

* حدیثِ قدسی کا ذکر ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ”میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا اور میں ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں، میرے ذریعے دیکھتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔“ (صحیح بخاری)

طلب کرو یا سورج سے، چاند کی روشنی کا ذریعہ بھی سورج ہے۔ اللہ کے دوست — اللہ اور اس کے پیغمبروں کی تعلیمات پر عمل کرنے والی ہستیاں ہیں۔ یہ ستارے ہیں۔ ان کی راہ پر چلو گے تو راستہ پاؤ گے۔

اس حدیث کے معنی کا بیان کہ "تمہارے رب کی تمہارے زمانے میں خوش بوئیں ہیں، آگاہ، اُن سے وابستہ ہو جاؤ۔"

خاتم النبیین حضرت محمدؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی خوش بوئیں ہر زمانے میں آگے بڑھی ہیں۔ ان اوقات میں ہوش کے کان لگائے رکھو اور انہیں حاصل کرو۔

خوش بو آئی، اس نے تمہیں دیکھا اور چل دی۔ جس نے چاہا، اُس کو جان بخش دی اور چلی گئی۔ خبردار! دوسری خوش بو آئی۔ اے پیر بھائی! اس سے محروم نہ رہنا۔ گناہ گار اسے حاصل کر کے گناہ سے محفوظ ہو گیا۔ جن کے دل مردہ ہو گئے تھے — انہوں نے اس سے زندگی پالی۔ یہ طوبیٰ* کی تازگی اور جنبش ہے۔ یہ مخلوق کی جنبشوں کی طرح عارضی نہیں ہے۔

اگر وہ زمین اور آسمان پر آ پڑے، فوراً ان کا پِتّہ پانی ہو جائے۔ اس بے انتہا اور لامحدود دَم کے خوف سے فابین ان یحملنھا (انہوں نے انکار کر دیا کہ وہ اسے اٹھائیں۔) پڑھ ورنہ اشفقن منھا (اور وہ اس سے ڈر گئے) کیوں ہوتا؟

روح کی دولت جو عجیب طریقے سے حاصل ہو رہی تھی، چند لقمے آنے سے اس کا دروازہ بند ہو گیا یعنی جب دنیاوی خواہشات کی طرف ہاتھ بڑھایا تو روحانی دنیا کے دروازے بند ہو گئے۔ لقمے کی وجہ سے تو گروی ہو گیا۔ جب حکمت و دانش مادی خواہشات کے تابع ہوئیں تو روح قید ہو گئی۔ اے لقمے*! اب رخصت ہو جا کیوں کہ قربِ الٰہی کے لمحات آ گئے ہیں۔ مادی رغبتوں سے دور رہ تاکہ کامل ہو جا۔ روحانی انسان دنیا کی تکالیف سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اس کے تلووں میں کانٹے کا اثر نہیں ہوتا۔

تمہیں لالچ کی وجہ سے تمیز نہیں ہے۔ حرص نے تمہاری بصیرت کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ جس کو تم چھوہارا* سمجھے ہو، اس کو کانٹا سمجھو کیوں کہ تم ناشکرے اور ندیدے ہو۔

* طوبیٰ (جنت کے ایک درخت کا نام) * لقمہ (جسمانی تقاضے، مادی رغبت) * چھوہارا (لذیذ شے)

لقمان* کی جان بلند مقام پر ہے۔ جب وہ لقمان ہے تو اس کا دنیا کے کانٹوں سے کیا تعلق! یہ مادی جسم ہے جو کانٹے خور وجود اونٹ* کی مانند ہے لیکن روح کی سواری بھی بن جاتا ہے۔

اے اونٹ! پھولوں کی گٹھڑی* تیری پیٹھ پر ہے جس کی خوش بو سے تجھ میں سو گلزار اُگے ہیں۔ تیرا میلان کیکر اور ریت کی طرف ہے۔ اے حقیر! تو کانٹے سے کیا پھول چُنے گا۔ اے اس طلب میں کوچہ بہ کوچہ گھومنے والے! کب تک کہے گا، وہ چمن کہاں ہے، کہاں ہے؟ جب تک تو پاؤں سے کانٹے کو نہ نکالے اور تیری آنکھیں اندھی رہیں تو راستہ کیسے طے کرے گا؟ وہ انسان جو دنیا میں نہیں سماتا، ایک کانٹے کے پیچھے چھپ جاتا ہے یعنی لامحدود صلاحیتوں کا حامل انسان کانٹے کی وجہ سے رک جاتا ہے۔

عارفِ کامل، روح سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے روح! مجھ سے بات کر، بات کر۔ اللہ کے عشق میں بے چین کر دے تاکہ یہ جسم بے قرار ہو جائے۔

مولانا رومؒ نے یہاں روح کے لئے لفظ حمیرا کو بطور علامت استعمال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

حمیرا مؤنث لفظ ہے۔ اہلِ عرب جان یعنی روح کو مؤنث کہتے ہیں اس لئے جان کو حمیرا سے تشبیہہ دی لیکن جان کو مؤنث ہونے کی کوئی پروا نہیں۔ روح مذکر اور مؤنث سے بالا ہے۔ یہ وہ جان نہیں ہے جس کی نشوونما خشک اور تر غذاؤں سے ہوتی ہے۔ یہ وہ جان نہیں ہے جو روٹی سے بڑھتی ہے یا کبھی ایسی اور کبھی ویسی ہوتی ہے۔ یہ خوش کرنے والی ہے اور خوش ہے اور مجسّم خوشی ہے۔ خوش کرنے والی، خوش ہے اور مجسّم خوشی کے مفہوم میں مترجم نے لکھا ہے کہ روح کے مراتبِ عشق تین ہیں۔

① روح عشق کو خوش کرنے والی ہو۔
② عشق سے خود خوش ہو۔
③ عین خوشی بن جائے۔

(باقی آئندہ ماہ پڑھئے۔)

---

* لقمان (یہاں لقمان سے مراد حکمت ہے۔) * اونٹ — مادی وجود اور * پھولوں کی گٹھڑی — روحانی دولت کی علامت ہے۔ انسان کو اللہ کی طرف سے نعمتیں، ہدایت اور روحانی برکتیں ملی ہیں لیکن وہ ان نعمتوں کے شعور سے غافل ہے اور روحانی دولت کی بجائے دنیا کی تکلیف دہ چیزوں میں دل لگاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰسٓ شریف ، قرآن کریم کا مکمل نسخہ اور ۳۰ سپاروں کا سیٹ

دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ساتھ اندرونی صفحات میں
خوب صورت ڈیزائن کردہ خط (font)
جس میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ آیات بآسانی پڑھی جا سکیں۔
زیادہ سے زیادہ لوگوں میں ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم کیجئے۔

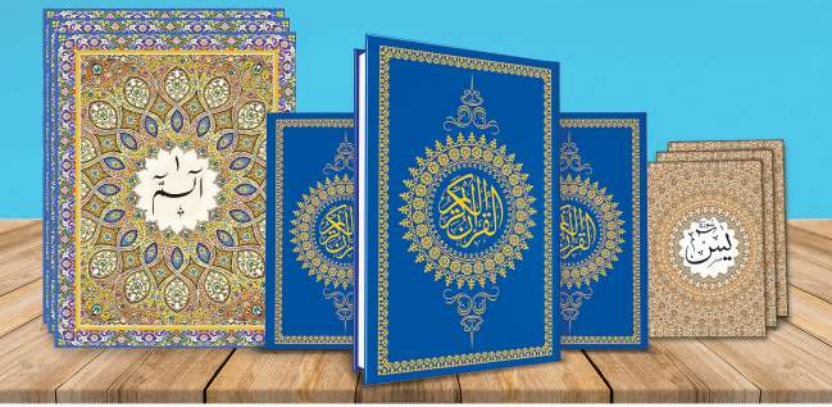

ملنے کا پتہ:
عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4، سرجانی ٹاؤن، کراچی، پاکستان۔

+92-(0)21-36417843
+92-(0)305-4435207

عظیمی
عظیمی یُونیورسٹی پریس®
AZEEMI UNIVERSITY PRESS

زیرسرپرستی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

★ قلندر شعور اکیڈمی ★

مراقبہ ہال حیدرآباد

قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کر سکتے ہیں۔

★ ★ ★

روحانی علوم کے متلاشی، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے خواتین وحضرات کے لئے خوش خبری

گلشنِ شہباز، نزد ٹول پلازہ، جامشورو حیدرآباد، 71000، پاکستان
فون نمبر: 0331-3615533 ، 0333-2695331

تجمل
Tajammal

IATA
ACCREDITED AGENT
IATA Code: 27342433

تجمل ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

تجمل للسفریات (الخاصه) المحمدوده

ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ

ہوٹل + زیارات ٹرانسپورٹ

بجٹ پیکج
اکانومی پیکج

5 ہوٹل کی بکنگ

ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز

شبعة تی ایچ اے 〈THA〉 لتطور الامور تتعلق بالعمال/الموعطفین الاجانب

THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR
(خصة تسعة:۴۱۸۹/ایل ایچ آر

- Labour Visa
- Skilled Visa
- Un Skilled Visa

thaoep1@gmail.com

متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

رانا تجمل حسین
CEO

+92 300 6654 211
+92 302 1165 300
+92 321 6680 266
+92 41 2641 904

Office No. 54, Gate No. 5, Iqbal Stadium. Faisalabad. PK

Canderel®

with Stevia

Naturally Sweet

Zero Calorie Sweetener

Available in Tablets, Sachets and Jars

SEARLE

نادیہ افتخار

70 ہزار پرت

بڑے بڑے اسپتال اور فلاحی مراکز تعمیر کرنا کسی ایک ذہن کی توانائی کا مظاہرہ ہے۔ لوگ ملتے ہیں اور کارواں بنتا ہے — پہلے فرد کی توانائی سیکڑوں ذہنوں پر غالب آجاتی ہے۔

صاحبِ یقین خواتین و حضرات فرماتے ہیں،

"فاقوں میں نجات ہے نہ مشقت میں،
نجات صرف رحمانی سوچ میں ہے۔"

روحانی تعلیم میں طرزِ فکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیوں کہ باہر وہی نظر آتا ہے جو اندر میں ہوتا ہے لہٰذا جسمانی ریاضت، روحانی دنیا میں داخلے کی ضمانت نہیں ہے۔ قید و بند کی دنیا سے نجات تغیر* پر مبنی طرزِ فکر تبدیل کرکے شعور کو لاشعور کے تابع کرنے میں ہے۔

چند روز پہلے دو گھنٹوں کی فلم 15 منٹ فاسٹ فارورڈ* کرکے دیکھی تو ادراک ہوا کہ دو گھنٹے کی فلم جب ہم 15 منٹ میں دیکھتے ہیں تو اس کی شروعات، نقطۂ عروج (climax) حتیٰ کہ اختتام بھی متاثر نہیں کرتا اور نہ اسکرین پر واقعات سے جذبات کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔

مثال کو سامنے رکھتے ہوئے سوچا کہ اگر پیچھے مڑ کر اپنی زندگی کو 15 منٹ کی تیز رفتار ریل پر چلا کر دیکھوں تو سب کچھ کتنا بے معنی نظر آئے گا۔ اس میں وہ لمحات شامل ہیں کہ جب دل پر گزرے تو پہاڑ جتنے وزنی محسوس ہوئے لیکن پہاڑ وزنی کہاں ہیں، وہ تو بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں جیسے زندگی کی برسوں پر محیط فلم 15 منٹ یا اس سے کم وقفے میں گزر جاتی ہے۔ پہاڑ کے نظر آنے والے بھاری پن کی طرح برسوں پر محیط عمرِ رواں کا وزن کہاں گیا؟

زندگی کی فلم میں وہ خواہشات بھی ہیں جنہوں نے ہر لمحہ بے چین رکھا اور وہ توقعات بھی ہیں جو پوری نہ ہوسکیں لیکن فاسٹ فارورڈ کرنے پر

* تغیر فریب ہے۔ * فاسٹ فارورڈ (تیز رفتار)

ان کی شدت کہیں کھو جاتی ہے۔

زمانے کی ٹائم لائن پر اپنی زندگی کی فلم کی رفتار کو تیز کر دیں تو ہمیں حافظے کی اسکرین پر بے جان تصویریں نظر آئیں گی۔ ان تصویروں سے وابستگی محسوس نہیں ہوگی اور نہ ان سے وابستہ احساسات ویسے ہوں گے جیسے ماضی میں تھے۔ یہ راز ہے اور راز یہ ہے کہ ساری بات سوچ کی اسپیس کی ہے کہ ہم کسی خیال، شے اور تعلق کو کتنا وقت دیتے ہیں۔

مشاہدے کے لئے تجربہ کریں — جب سوچ کا دورانیہ مختصر ہوتا ہے تو جذباتی وابستگی قائم نہیں ہوتی۔ جہاں کسی معاملے میں سوچنے کی اسپیس طویل ہوتی ہے، وہاں احساس گہرائی میں اتر جاتا ہے اور ذہن اسپیس کے دورانیے کو طویل دکھاتا ہے۔ یوں کہئے کہ اسپیس کی طوالت کا فریب پیدا ہوتا ہے اور ہم جذبات کا رشتہ قائم کر کے اس فانی شے کے ساتھ لافانی کا سلوک کرتے ہیں۔

اسپیس کی طوالت سے متعلق قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

"پھر اللہ ان سے فرمائیں گے، تم کتنے برسوں تک زمین میں ٹھہرے رہے؟ وہ جواب دیں گے، ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے، پوچھو ان سے جو حساب رکھتے ہیں۔ اللہ فرمائیں گے، تم تو بہت قلیل عرصہ رہے، اگر تم جانتے ہوتے۔" (المؤمنون: ۱۱۲۔۱۱۴)

جذبات منتشر ہونے والی شے سے جڑتے ہی پریشان، بے چین اور کھوکھلا کر کے اپنی فطرت کے مطابق انتشار پیدا کرتے ہیں۔ توانائی جو سوچ کی پرواز کے لئے مختص ہونی چاہئے، وہ اِدھر اُدھر کی باتوں اور وسوسوں میں بکھر جاتی ہے جب کہ توانائی کی یکجائی کا مظاہرہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے اپنے آس پاس اور دنیا میں چھوٹے بڑے فلاحی کام دیکھے ہیں۔

یہ سب ہم سے کیا کہتے ہیں—؟

بڑے بڑے اسپتال اور فلاحی مراکز تعمیر کرنا کسی ایک ذہن کی توانائی کا مظاہرہ ہے جس نے اس خیال کو دنیا کے سامنے ظاہر کرنے کے لئے پہلی اینٹ رکھی — لوگ ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا — توانائی، توانائی میں یکجا ہوتی رہی اور پہلے فرد کی توانائی بڑھتے بڑھتے سیکڑوں ذہنوں پر غالب آ گئی۔ اس طرح فلاحی نظام جاری رہتا

ہے۔ یہ توانائی کا مثبت استعمال، اس میں مخفی قوت کا مظاہرہ اور تسلسل ہے۔

مخلوق جذبات کا مرکب ہے۔ جذبات ختم نہیں ہوتے، ان کی بنا پر اسپتال اور درس گاہیں تعمیر کی جاتی ہیں، فلاحی خدمات انجام دی جاتی ہیں، تحقیق و تلاش اور ایجادات ہوتی ہیں، سماج کی تربیت کے لئے تحریر و تقریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے، معاشرے میں رشتے بنتے اور نبھتے ہیں، لوگ دکھ درد اور خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ ہمیں صرف جذبات کی سمت درست کرنے اور ان پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

کائنات کی تخلیق دو رخ پر ہے۔ ایک رخ میں قربت ہے، دوسرا رخ دوری دکھاتا ہے۔

دوری اور قربت کیا ہیں؟

ہر جاندار اور بے جان سمجھی جانے والی تخلیق روح کی وجہ سے موجود ہے لیکن ان تخلیقات کا لباس جن اجزا سے بنا ہے، اس میں ہر جز کی ظاہری پہچان دوسرے جز سے الگ ہے اس لئے دوری نظر آتی ہے۔

پہلے مثال پھر سوال پڑھئے۔

مثال: دو جز ملتے ہیں تو ملنے کے باوجود ان کے درمیان خلا رہتا ہے۔ ہم خلا سے واقف نہیں ہیں۔ ناواقفیت دوری بن کر ایک جز کو دوسرے سے الگ دکھاتی ہے۔ یوں ایک شے جو بہت سی چیزوں سے مل کر بنی ہے، اس کی اسپیس پھیلی ہوئی نظر آتی ہے لیکن یہ اسپیس چاہے درخت کی ہو یا آدمی کی، جب بکھرتی ہے تو ایک مٹھی کے برابر رہ جاتی ہے۔

سوال: اسپیس کہاں گئی—؟

محسوسات کا دورانیہ اسی طرح پھیلتا اور سمٹتا محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً غمگین رہنے کی عادت سے خوشی کی اسپیس چھوٹی اور غم کی اسپیس بڑی لگتی ہے اس لئے خوشی کا وقت جلدی گزر جاتا ہے اور غم طویل محسوس ہوتا ہے۔

خوشی میں وقت غالب ہوتا ہے اور غم میں ہماری نظر اسپیس پر ٹھہر جاتی ہے — ٹھہرتے ہی گہرائی میں اتر جاتی ہے۔ ہم کیوں نہیں سوچتے کہ کائنات جسے اللہ نے محبت سے تخلیق کیا ہے، اس میں غم کہاں ہے—؟ غم فریب ہے، دوری ہے۔ خوشی قربت ہے، محبت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

”دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سازو سامان ہے۔“ (اٰلِ عمرٰن: ۱۸۵)

ہر شے شکل رکھتی ہے۔ سوچ کی بھی شکل ہے اور جس شے کی شکل ہوتی ہے، وہ اسپیس میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسپیس کے بڑھنے اور گھٹنے سے شے بالترتیب کثیف اور لطیف ہوتی ہے۔

علمائے باطن فرماتے ہیں،

”انسان 70 ہزار پرتوں کا مجموعہ ہے۔“

خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ، محترم عظیمی صاحبؒ کی تعلیمات اور تربیت سوچنے کی لاشعوری طرز کو بیدار کرتی ہے کہ 70 ہزار پرت جس نقطہ پر یکجا ہوتے ہیں یا جس نقطہ پر ان کی اسپیس سمٹ کر ایک ہوتی ہے، اس نقطہ کا نام ”انسان“ ہے۔

انسان فی الارضِ خلیفہ ہے۔

زمین پر اللہ کا نائب ہے۔

اس مقام تک رسائی کے لئے وہ کیا کرتا ہے؟

سوچ کو محرک کی طرف متوجہ کرتا ہے، اندر میں دیکھتا ہے اور باہر نظر آنے والی دنیا کو اندر میں دنیا کا عکس سمجھتا ہے۔ اندر خوشی ہے تو باہر خوشی دیکھتا ہے۔ اندر غم ہے تو باہر کے مناظر پر افسردگی کا خول آجاتا ہے۔

انسان سکون کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ سکون سے مراد خالقِ کائنات کی ذات وصفات میں یکسو ہوکر یکسوئی میں ثابت قدم رہنا ہے۔ جیسے ہی فرد پریشان ہوتا ہے، اسپیس بدل جاتی ہے، وہ خوشی کی جنت سے ناخوشی کی آگ میں داخل ہوجاتا ہے۔ کیا ناخوشی آگ نہیں ہے؟

فرمانِ الٰہی ہے،

”اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دے۔“ (فاطر:۵)

خلاصہ: حالات و واقعات سے ہر فرد متاثر ہوتا ہے لیکن کوئی ان حالات میں توکّل کرکے صبر کرتا ہے اور کوئی بکھر جاتا ہے۔ توکّل کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر شے کو کیئر آف اللہ طرزِ فکر سے دیکھیں۔ سوچیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جائے گی۔ جب ہمارے اور وسائل* کے درمیان خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ کا خیال غالب رہتا ہے تو صبر اور سکون

* وسائل میں لوگ اور رزق دونوں شامل ہیں۔

آجاتا ہے اور فرد بوجھ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

سوچ میں اصلاح سے دوری کا وزن بے وزن ہوتا ہے اور زندگی ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔ یہ دنیا ہمارے لئے ہے۔ اس میں رہنے کے طور طریقے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کے دوست اسی دنیا میں دنیاداری کے تقاضے پورے کرتے ہیں، ان کے گھر ہوتے ہیں، خاندان اور بچے ہوتے ہیں اور وہ معاشی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے ہیں لیکن دنیا ان پر غالب نہیں آتی بلکہ وہ دنیا پر غالب رہتے ہیں۔

اس کے برعکس دنیا پرست لوگ دنیا کے غلبے میں گھٹن زدہ زندگی گزار کر خود کو آزاد سمجھتے ہیں لیکن وہ محکوم ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ فرماتے ہیں،

"اگر آدمی محدود سوچ سے آزاد ہو جائے تو اس کے اندر سے خوشی، غم دونوں نکل جاتے ہیں۔ خوشی غم کے بعد جو کیفیت ہوتی ہے، اس کا نام لغت کی کتابوں میں نہیں ہے۔ اسے سُرور کہنا بھی اس لئے مناسب نہیں ہے کہ سُرور جب ٹوٹتا ہے تو انسان کے اوپر اذیت ناک کیفیت ہوتی ہے لہٰذا اس کو ہم سُرور نہیں کہہ سکتے۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کو 'کیفیت' بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ خوشی و غم دونوں سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔ اسے آپ لنگوٹی بندھوا دیں تو مطمئن ہے، اسے اطلس و کمخواب کے کپڑے پہنا دیں تو ٹھیک ہے، اسے مرغی کھلا دیں تو بھی ٹھیک ہے اور روکھی روٹی کھلا دیں تب بھی اطمینان ہے اس لئے کہ وہ خوشی اور غم دونوں سے ماورا کیفیت میں ہے۔ ایسے بندوں کو اللہ اپنے پاس سے کھلاتا ہے، اپنے پاس سے پہناتا ہے اور وسائل کو اس کے تابع کر دیتا ہے جب کہ بندہ وسائل کے تابع نہیں رہتا۔"

حافظے کی کمزوری دور کرنے کے لئے

صبح نہار منہ وضو یا کُلّی کرکے رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ تین مرتبہ پڑھیں اور پانی پر دم کرکے پی لیں۔ اس عمل کو چالیس (40) روز تک برقرار رکھنا چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو دن شمار کرکے بعد میں پورے کرلیں۔ (کتاب: روحانی علاج)

سرورق کی تشریح

"ماہنامہ قلندر شعور" جون 2025ء کا سرورق بغور دیکھنے اور مطالعہ کرنے کے بعد ایسا لگا کہ یہ سفر کی روداد ہے۔ بالائی حصے پر نقطہ کے اوپر "اللہ" لکھا ہے۔ رنگ، مخلوقات اور اجزائے کائنات کا وہاں ذکر نہیں ہے — اللہ کا رنگ غالب ہے۔ اللہ کے رنگ کو کسی طور بیان نہیں کیا جاسکتا۔

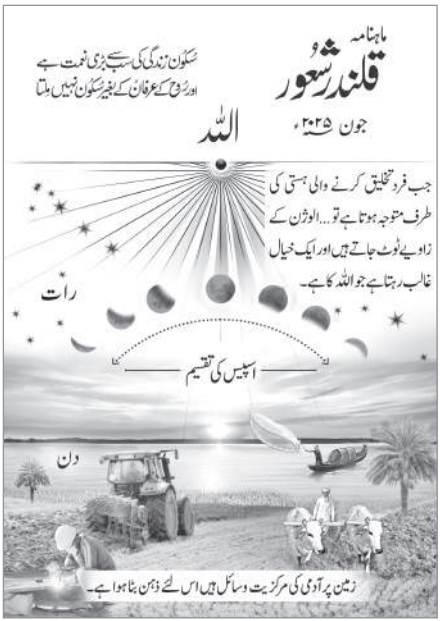

اللہ کائنات کا خالق ہے اور کائنات پر محیط ہے۔ اللہ کے حکم سے نقطہ سے روشنی نزول کرتی ہے، روشنی میں موجود شعاعیں پھیلتی ہیں اور باہم خلط ملط ہوکر لاشمار زاویے اور رنگ تخلیق کرتی ہیں۔ رنگوں اور زاویوں کی مخصوص مقداریں مخلوقات کا روپ اختیار کرتی ہیں — زمین یعنی عالمین پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اس طرح اسپیس کی تقسیم ہوتی ہے اور حواس تخلیق ہوتے ہیں۔ مخلوقات وقت اور فاصلے (ٹائم اور اسپیس) میں رہتے ہوئے حواس سے واقف ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ترتیب اس طرح قائم فرمائی ہے کہ ہر فرد، قوم، جمادات، نباتات، حیوانات، اجرامِ فلکی غرض ہر شے مشین کے کَل پرزوں کی طرح باہم منسلک ہے۔ ہر پرزہ بذاتِ خود ایک فرد ہے اور دوسرے پرزے کے لئے وسائل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی چوپایہ مرتا ہے تو اس کا جسم حشرات اور نباتات کی غذا بن جاتا ہے۔

اسی طرح مٹی میں ملنے سے بظاہر بیج کا وجود ختم ہو جاتا ہے لیکن گندم کے سِٹّے* یا تناور درخت کے روپ میں ہزاروں لاکھوں بیجوں، پھولوں اور پھلوں کی زندگی بنتا ہے۔ کسان زمین میں ہل چلا کر دانہ ڈالتا ہے، نئی فصل آتی ہے۔ آدمی زمین کے ذرّات میں سے لوہے کے ذرّات الگ کرتا ہے اور ہر قسم کی مشینیں بناتا ہے۔ لوہے کے بڑے اور کارکردگی میں سیکڑوں گنا بہتر ہل، لکڑی کے ہل کی جگہ لے لیتے ہیں۔ لوہے کی سلاخوں اور چادروں کو ویلڈنگ کے ذریعے جوڑ کر طرح طرح کی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ درخت کی لکڑی سے شہتیر اور تختے نکال کر کشتی تیار کی جاتی ہے۔ پانی میں جال پھینک کر آبی مخلوق مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں جو غذا اور رزق کا ایک ذریعہ ہیں۔

سورج کے طلوع و غروب سے دن رات بنتے ہیں۔ زمین کی سورج کے گرد محوری و طولانی گردش سے موسم تبدیل ہوتے ہیں اور مہینوں، سالوں کی تقویم* کا نظام قائم ہوتا ہے— چاند کے مدارج اس میں مددگار ہیں۔ چاند کی کرنیں پھلوں میں مٹھاس اور سمندر میں مدّوجزر* پیدا کرتی ہیں۔ ستاروں کے جھرمٹ اور بروج متوجہ کرتے ہیں۔ ہم ان سے سمتیں معلوم کرتے ہیں، زمین کے منطقے* اور زمین کی رفتار اور پوزیشن جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

تخلیق کے ہر رخ اور مرحلے کی تفصیلات کا احاطہ ممکن نہیں۔ ہر زاویہ، بیسیوں نئے زاویے پیدا کرتا ہے۔ ذہن ان میں گم ہو کر یکسر بھول جاتا ہے کہ ابتدا کہاں سے ہوئی۔ توجہ وسائل کے گورکھ دھندے میں بٹ کر وسائل کے خالق سے ہٹ جاتی ہے۔ وسائل خود مخلوق ہیں۔ ہر وسیلہ دوسرے وسیلے کا محتاج ہے۔ وسائل پیدا ہوتے ہیں، دوسرے وسائل پر انحصار کرتے ہیں، زندگی گزارتے ہیں اور بالآخر غائب ہو جاتے ہیں۔ روشنی کا منبع اور اصل ایک ہے لیکن شعاعوں کا مختلف سمتوں میں سفر کرنا اور بے شمار اسکرینوں پر ترتیب سے بکھرنا، لاشمار زاویوں کی چکاچوند پیدا کرتا ہے۔ نتیجے میں نظر منبع سے ہٹ کر اس بوقلمونی میں خیرہ ہونے لگتی ہے۔

---

* سِٹّے (گندم کی بالی، بھٹّا) * تقویم (کیلنڈر) * مدّوجزر (جوار بھاٹا) * منطقے (ایک جیسی آب و ہوا رکھنے والے زمین کے خطے)

سرورق پر مرشد کریم محترم عظیمی صاحبؒ کے الفاظ درج ہیں :

"جب فرد تخلیق کرنے والی ہستی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو الوژن کے زاویے ٹوٹ جاتے ہیں اور ایک خیال غالب رہتا ہے جو اللہ کا ہے۔"

فرد کا ذہن جب رنگ برنگ دنیا اور وسائل کے پھیلے جال کو دیکھ کر خالقِ کائنات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو الوژن کی نفی اور یقین کا اثبات ہوتا ہے۔ سرورق اس امر کی خوب صورت عکاسی کرتا ہے کہ آدمی الوژن کے ذہن و نظر سے آزاد نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ کی ذات توجہ کا مرکز نہ بن جائے۔ استادِ عالی مقام، اللہ کے دوست محترم عظیمی صاحبؒ نے یہ نسخۂ کیمیا الفاظ و تصویر کی صورت میں نوعِ جنات اور انسان کے لئے پیش کیا ہے۔ (تشریح: مکسل مینا)

سرورق (جون 2025ء) پر تفکر سے راہ نمائی ہوئی کہ اللہ کریم نے کُن فرما کر کائنات کو زندگی بخشی۔ اللہ تعالیٰ خالق ہیں اور کائنات مخلوق ہے۔ ادب یہ ہے کہ مخلوق اپنے خالق سے واقف ہو۔

آدمی دو یونٹ میں زندگی بسر کرتا ہے۔

① خواب (رات کی زندگی یا حواس) ② بیداری (دن کی زندگی یا حواس)

آدمی لاشعور اور شعور میں ردّوبدل ہوتا رہتا ہے۔ لاشعور — اللہ سے قربت ہے اور شعور، اگر لاشعور کے مطابق نہیں ہے تو پھر اللہ سے دوری ہے۔ دوری ثقل، مادہ پرستی اور محدودیت میں قید کر دیتی ہے جب کہ پیغمبرانہ طرزِ فکر یہ ہے کہ آدمی وسائل کو کیئر آف اللہ سمجھے تو فریب سے آزاد ہو کر "عارف" ہوسکتا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ جنت کے دماغ یعنی اللہ کی فرماں برداری سے واقف ہو — فرماں برداری کا دماغ اختیار کرے تاکہ ادراک کا دائرہ وسیع ہو۔ ادراک میں وسعت سے فہم لاشعور سے قریب ہوتی ہے پھر تخلیقی فارمولوں کا علم، دوسری دنیاؤں کی سیر، نظام سے آگاہی اور سب سے بڑھ کر دیدارِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ (ثمینہ مقصود۔ فیصل آباد)

سندس رشید

برفانی دنیا کا بادشاہ

گَس کی آسٹریلیا آمد بظاہر ایک پینگوئن کا فعل ہے لیکن ماہرینِ ماحولیات کے نزدیک یہ دنیا کے ماحولیاتی نظام میں تبدیلی کے لحاظ سے انتباہ (وارننگ) ہے۔

پینگوئن کا نام سنتے ہی برف سے ڈھکے برِاعظم انٹارکٹیکا کی تصویریں متحرک فلم کی طرح ذہن میں نشر ہوتی ہیں — اونچی نیچی ڈھلانوں اور ساحل سے جڑے برفیلے پہاڑی میدانوں میں، سفید اور سیاہ رنگ میں ملبوس، ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلنے والے پینگوئن ہمیں اس وقت حیرت میں مبتلا کر دیتے ہیں جب یہ پانی میں داخل ہوتے ہیں۔ پانی میں ان کی پھرتی، مہارت اور تیراکی کے انداز میں وجاہت دیکھنے والوں کے لئے شعور پر دو باب روشن کرتی ہے۔

① پینگوئن اگرچہ خشکی پر بھی وقت گزارتے ہیں لیکن ان کا اصل مسکن پانی ہے۔ اصل مسکن سے باہر آتے ہی چلنے کی رفتار وہ نہیں رہتی جو پانی میں ہے اور اس کا اثر چال میں نظر آتا ہے۔ جب یہ پانی کی طرف لوٹتے ہیں، قدرت نے جس کے مطابق ان کی جسمانی ساخت بنائی ہے تو ان کے پَر تال میل کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور رفتار قابلِ دید ہوتی ہے۔

② رفتار کم ہو، زیادہ یا جمود کے قریب ہو، ہر صورت میں تعلق صلاحیت سے ہے۔

خواتین وحضرات! خشکی اور پانی میں پینگوئن کی شخصیت کے دو رخ آدمی کو کس جانب متوجہ کرتے ہیں—؟ سوچئے اور لکھ کر بھیجئے۔

انٹارکٹیکا کی برفیلی زمین سے ملک چِلی میں واقع دنیا کے خشک ترین صحرا ''ایٹاکاما'' اور پھر نیوزی لینڈ کے سرسبز ساحلوں تک — پینگوئن کی دنیا عجوبہ ہے۔ چِلی اور پیرو کے ساحلوں پر ''ہمبولٹ پینگوئن'' ایٹاکاما کی گرمی برداشت کرتے ہیں جو 70°C تک پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف

نیوزی لینڈ کے جزیرہ اینڈربی پر رہائش پذیر پیلی آنکھوں یعنی یلو آئیڈ پینگوئن جنگلات میں درختوں کے نیچے بل بناتے ہیں۔ دو اقسام ''ایمپرر'' اور ''ایڈیلی'' کا گھر انٹارکٹیکا ہے۔

دور سے تمام پینگوئن ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن ان کے قد کاٹھ میں فرق ہے۔ سب سے بڑی قسم ''ایمپرر'' کا قد چار فٹ پانچ انچ جب کہ سب سے چھوٹے لِٹل بلیو پینگوئن کا قد ایک فٹ کے قریب ہے اور رنگ نیلا ہے۔

آیئے، بچوں اور بڑوں کو یکساں طور پر پسند پینگوئن کی سب سے قد آور نسل کے بارے میں پڑھتے ہیں۔ نام ایمپرر ہے، اردو میں شہنشاہ یا بادشاہ پینگوئن کہتے ہیں۔

پینگوئن کا ذکر آتے ہی عمومی طور پر ذہن میں جس کی تصویر بنتی ہے، وہ دراصل بادشاہ پینگوئن ہے جو انٹارکٹیکا کی یخ بستہ ہواؤں اور برفانی طوفانوں کے درمیان چٹان کے سرے پر کھڑا نظر آتا ہے اور اگلے لمحے پانی میں غوطہ لگالیتا ہے— گویا برف کی دنیا کا بے تاج بادشاہ اور سلطنت پانی کی دنیا تک وسیع!

ایمپرر اور ایڈیلی انٹارکٹیکا کی شدید سردیوں میں افزائشِ نسل کرتے ہیں جب درجۂ حرارت منفی 60 ڈگری سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے اور ہوا 100 کلومیٹر فی گھنٹے سے زیادہ کی رفتار سے چلتی ہے۔ رگوں میں خون منجمد کرنے والی برفانی ہواؤں سے حفاظت کے لئے سیکڑوں کی تعداد میں ایک دوسرے سے قریب ہوکر جھنڈ بناتے ہیں تاکہ جسمانی حرارت برقرار رہے۔ ساخت کئی لحاظ سے برف کی دنیا کے لئے موزوں ہے۔ جسم میں متعدد تہوں پر مشتمل چھوٹے، سخت اور چھلکوں جیسے پَر سرد ہوا کی شدت کو تقسیم کرتے ہیں۔ پیر میں چربی ان کو جمنے سے محفوظ رکھتی ہے اور پنجے برف پر گرفت جمانے میں مدد دیتے ہیں۔ جسم میں ذخیرہ چربی انتہائی سرد اور ناموافق موسم میں غذا بن جاتی ہے۔

ایمپرر پینگوئن زندگی کا تین چوتھائی حصہ پانی میں گزارتے ہیں۔ یہ ماہر تیراک ہیں۔ بحرِ جنوبی* میں گہرائی میں جاسکتے ہیں اور طویل فاصلہ طے

* بحرِ جنوبی (Southern یا Antarctic Ocean) دراصل اوقیانوس، بحرالکاہل اور بحرِ ہند (بالترتیب Atlantic Ocean، Pacific Ocean اور Indian Ocean) کے جنوبی حصوں سے مل کر بنا ہے۔

کرتے ہیں ۔پینگوئن کی ٹانگیں اور پاؤں جسم کے پچھلے حصے سے منسلک ہوتے ہیں جو خشکی پر ان کی مخصوص چال کا سبب ہیں لیکن یہی اعضا پانی کے اندر پتلے اور متوازن پیڈل بن جاتے ہیں جو تیراکی کے دوران رگڑ کو کم کرکے رفتار میں اضافہ کرتے ہیں۔

ماہرین کہتے ہیں کہ پانی کی سطح پر پینگوئن بمشکل بطخ کی طرح چپو چلا سکتا ہے لیکن یہ پانی کے اندر اولمپک تیراکوں سے تیز رفتار ہے۔ اس کی رفتار نو میل یعنی 14 کلومیٹر فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے لیکن عمومی طور پر سات میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تیرتا ہے۔ بیشتر درمیانے قد کے پینگوئن لگ بھگ پانچ میل یعنی آٹھ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے تیرتے ہیں جب کہ سب سے چھوٹے پینگوئن کے تیرنے کی رفتار اندازاً ایک میل فی گھنٹہ ہے۔

سفر کے دوران پینگوئن عمومی طور پر پانی کی سطح سے تین سے چھ فٹ کے اندر رہتا ہے اور اکثر تیرنے کی مخصوص تکنیک استعمال کرتا ہے جسے پورپوائزنگ (Porpoising) کہا جاتا ہے۔

پورپوائزنگ اس اندازِ تیراکی کو کہتے ہیں جس میں پینگوئن پانی کی سطح کے قریب رہتے ہوئے مسلسل چھلانگیں لگاتا ہے جیسے پانی کی سطح کو چھو کر پھسل رہا ہو۔ یہ انداز ڈولفن کی تیراکی سے مشابہ ہے۔ اس تکنیک کا مقصد پانی میں تیزی سے حرکت کرتے ہوئے سانس لینا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ شکاریوں سے محفوظ رہنے کے لئے بھی مددگار ہے کیوں کہ پانی میں مسلسل اوپر نیچے ہونے سے شکاری کے لئے تیرتے ہوئے پینگوئن کو پکڑنا مشکل ہے۔

ماہرین کہتے ہیں کہ ان کے پروں کی نچلی سطح پر چھوٹے بال نما ریشے ہیں جن کی موٹائی تقریباً

20 مائیکرون ہوتی ہے۔ یہ انسانی بال کی موٹائی کا نصف سے بھی کم ہے۔ پروں پر باریک جال کی مانند ریشے ہوا کو قید کر لیتے ہیں۔ جب یہ ہوا چھوٹے چھوٹے بلبلوں کی شکل میں پانی میں خارج ہوتی ہے تو پروں کی سطح پر چکنی تہ بنا دیتی ہے۔ نتیجے میں رگڑ کم ہوتی ہے اور پانی میں ان کی حرکت رواں اور تیز ہو جاتی ہے۔

انٹارکٹیکا کے قد آور اور اس نوع کے سب سے وزنی پینگوئن سطحِ سمندر سے تقریباً 16 سے 18 سو فٹ گہرائی تک غوطہ لگا سکتے ہیں اور 20 منٹ یا زیادہ دیر تک پانی کے اندر رہ سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ وہ سمندر ہے جس کا دنیا کے سرد اور سخت ترین ماحول میں شمار ہوتا ہے۔

نیوزی لینڈ کے نیشنل انسٹیٹیوٹ فار واٹر اینڈ ایٹموسفیرک ریسرچ محققین نے انٹارکٹیکا میں پینگوئن کی تاریخ کی سب سے طویل غوطہ خوری ریکارڈ کی جو 32.2 منٹ تک پانی کے اندر جاری رہی۔ یہ سابقہ ریکارڈ سے پانچ منٹ زیادہ ہے۔ ٹیم نے 2013ء میں غذا کی تلاش اور غوطہ خوری کے انداز کو جاننے کے لئے 20 ایمپیروں کی سیٹلائٹ ٹرانسمیٹر کے ذریعے نشاندہی کی۔

پینگوئنز نے 273 کلومیٹر سے لے کر نو ہزار کلومیٹر تک فاصلہ طے کیا اور ان کے غوطے ایک سے 32.2 منٹ تک جاری رہے۔ اس سے پہلے یہ ریکارڈ 27.6 منٹ تھا۔

نومبر 2024ء کی پہلی تاریخ کو شہنشاہ نسل کے ایک نر پینگوئن نے دنیا کو حیران کر دیا جب اسے آسٹریلیا کے مغربی کنارے پر واقع قصبے ڈنمارک کے ساحل پر دیکھا گیا۔ انٹارکٹیکا کے ایک ایمپرر کا فطری مسکن کو چھوڑ کر دو ہزار میل دور قصبے میں پہنچنا غیر معمولی ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہے جیسے کسی نے اولمپک سائز کے سوئمنگ پول میں 44 ہزار چکر لگائے ہوں۔ انہوں نے اس کا نام ''گس'' رکھا۔

گس کی آسٹریلیا آمد بظاہر ایک پینگوئن کا فعل ہے لیکن ماہرینِ ماحولیات کے نزدیک یہ دنیا کے ماحولیاتی نظام میں تبدیلی کے لحاظ سے انتباہ (وارننگ) ہے۔ بعض ماہرین کی رائے تھی کہ اس کی نیوی گیشن کی حس کسی طوفان سے دوچار ہو کر متاثر ہوئی۔ یہ راستہ بھٹک گیا۔ دیگر نے اسے انٹارکٹیکا کے ماحولیاتی نظام میں تبدیلی کے اشارے کے طور پر دیکھا۔ تین ہفتے بعد

اسے واپس بھیج دیا گیا۔

کسی مقام پر رہنے والا فرد چاہے تعلق جس نوع سے ہو، وہ ماحولیاتی حسّاسیت کی علامت ہے۔ غیر معمولی موسموں میں رہنے والی نوعیں اس حوالے سے زیادہ اہم ہیں کیوں کہ جب وہ مقام تبدیل کرتی ہیں تو اس کا مقصد سیر و تفریح نہیں ہوتا۔

سیٹلائٹ تصاویر کے مطابق 2023ء میں انٹارکٹیکا میں سمندری برف کی سطح میں ماضی کے مقابلے میں ریکارڈ کمی دیکھی گئی۔ خاص کر بیلنگس ہاؤزن سی کا علاقہ جہاں ایمپرر پینگوئن کی پانچ کالونیوں میں سے چار کو افزائشِ نسل میں دشواری ہوئی — اس سے پہلے کہ ان کے بچے خود کفیل ہوتے، برف ٹوٹ گئی۔

برطانوی انٹارکٹک سروے کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ایمپرر پینگوئن ایک ہی سیزن میں اتنے وسیع پیمانے پر افزائشِ نسل میں ناکام ہوں، ہم نے ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

پینگوئن اور انٹارکٹیکا میں رہنے والے دیگر حیوانات کے لئے برف، زندگی اور افزائش کی زنجیر ہے۔ یہ ہر سال مارچ کے آخر میں افزائشِ نسل کے لئے موزوں مقامات پر پہنچتے ہیں، مئی اور جون میں انڈے دیتے ہیں جو دو مہینے بعد کھلتے ہیں۔ انڈوں سے نکلنے والے بچے تب تک برف پر رہتے ہیں جب تک جسم پر موجود نرم رُواں واٹر پروف پروں میں نہ ڈھل جائے اور پَر پرواز کے قابل نہ ہوں۔

برف ٹوٹنے کا مطلب انٹارکٹیکا سے ایمپرر پینگوئن کی نسل کا رشتہ ٹوٹنا ہے جس کے شواہد رفتہ رفتہ سامنے آرہے ہیں۔ محققین کا کہنا ہے کہ 2009ء سے اب تک اس برفانی براعظم میں پینگوئن کی کئی کالونیاں متاثر ہوئی ہیں اور حالیہ برسوں میں ان میں تشویش ناک حد تک اضافہ دیکھا گیا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو اس صدی کے آخر میں ایمپرر پینگوئن کی کالونیاں آخری سانسیں لے رہی ہوں گی۔

قارئین! زمین کے ماحولیاتی و موسمیاتی نظام میں عدم توازن یعنی موجودہ نظام کے نئے توازن میں داخل ہونے کا سلسلہ جاری رہا تو آنے والی نسلوں کو برف کی دنیا کا بادشاہ، ڈائنو سار کی طرح تصویروں یا کہانیوں میں نظر آئے گا۔

طویل ترین بحری رَو

پانی جب خاص رفتار سے مخصوص سمت میں بہتا ہے تو اسے آبی کرنٹ، آبی رَو یا آبی بہاؤ کہتے ہیں۔ یہ دریا اور سمندر میں پانی کی مستقل حرکت کو ظاہر کرنے کے علاوہ اہم عوامل کی خبر دیتا ہے۔ بہاؤ کی تشکیل میں ہوا کا چلنا، زمین کی گردش، پانی کا درجۂ حرارت اور نمک کی مقدار میں فرق قابلِ ذکر ہیں۔

پڑھئے، دنیا کے سب سے بڑے بحری کرنٹ (بحری رَو) کے بارے میں جسے انٹارکٹیکا سرکم پولر کرنٹ کہا جاتا ہے۔ ACC مخفّف ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی سب سے طویل اور طاقتور سمندری رَو ہے اور *Gulf Stream سے پانچ گنا طاقتور ہے۔ انٹارکٹیکا کے گرد دائرے میں بہتی ہے اور لگ بھگ پوری زمین کا چکر لگاتی ہے۔ اس دوران کسی برِاعظم سے نہیں ٹکراتی — اس لئے یہ زمین کی واحد آبی رَو ہے جو رکے بغیر بہتی ہے — مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتی ہے اور بحرِ اوقیانوس، بحرِ ہند اور بحرالکاہل جیسے بڑے سمندروں کو آپس میں ملاتی ہے۔

انٹارکٹیکا کے گرد محیط یہ گردشی سمندری رَو، انٹارکٹیکا کے لئے قدرتی دیوار ہے۔ جہاں یہ گرم پانی کو انٹارکٹیکا کے اندر داخل ہونے سے روک کر اسے سرد ترین علاقے کے درجے میں رکھتی ہے، وہاں زمین کی گرمی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے۔ اس طرح دنیا کے موسموں کو متوازن رکھنے میں اس رَو کا اہم کردار ہے۔ ACC میں کوئی تبدیلی آجائے تو —؟

محققین عالمی ماحولیاتی نظام کا جائزہ لینے کے لئے انٹارکٹیکا سرکم پولر کرنٹ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

تیز مغربی ہواؤں کے زور پر چلنے کی بنا پر اس کا ایک نام "ویسٹ ونڈ ڈرفٹ" ہے۔ یہ سمندر کی تہ سے غذائیت سے بھرپور پانی اوپر لاتی ہے — آبی پرندے، مچھلیاں، پینگوئن، پانی کی بلّی، وہیل جیسی بڑی اور کِرل جیسی چھوٹی مخلوقات ایسے علاقوں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

---

* خلیج میکسیکو سے شمال کی جانب امریکا کے مشرقی ساحل کے ساتھ بہنے والی گرم سمندری رَو۔

ڈاکٹر نعیم ظفر

احساس کا عکس

جولائی 2025ء کے شمارے میں مضمون ”احساس کا عکس“ میں تصاویر کی غیر معیاری طباعت کے باعث قارئین کی سہولت کے لئے مضمون دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

دانشوروں کی مجلس میں جب موضوعِ گفتگو حقیقت و فکشن ہو تو کہیں نہ کہیں تمثیل ”ہاتھی اور نابینا لوگ“ کا ذکر آجاتا ہے۔ تمثیل کا حوالہ مثنوی مولانا رومؒ اور اُن سے پہلے حکیم سنائی کی تصنیف ”حدیقۃ الحقیقہ“ میں ہے۔ اس چھوٹی کہانی میں بہت خوب صورتی سے محدود حواس کے ادھورے پن کو بیان کیا گیا ہے۔* اندھوں کے ہاتھ ہاتھی آجاتا ہے اور ہر ایک اپنی بساط کے مطابق ہاتھ لگا کر اندازہ لگاتا ہے کہ ہاتھی دیکھنے میں کیسا ہوتا ہے۔

ایک آدمی رسّی، دوسرا ستون، تیسرا درخت، چوتھا صندوق اور پانچواں کچھ اور گمان کرتا ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ ہاتھی اصل میں کیسا ہے! اپنے گمان، تجربے اور مشاہدے کے نقص سے انجان شخص سوچنے سمجھنے کی فرسودہ طرزوں کے گمراہ کن نتائج کو چیلنج کرنے کی ہمت رکھتا ہے نہ ان پر شبہ کرتا ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

جب آنکھ شبہ کرے، شبہ کس کا ہے
انساں جو نہ سمجھے تو گِلہ کس کا ہے
اِک نور کی دنیا ہے کہیں پر آباد
کچھ علم نہیں ہے، وہ صلہ کس کا ہے

رباعی سے انکشاف ہوتا ہے کہ آدمی کی دانائی کے انداز نرالے ہیں۔ دانستہ، نادانستہ جسے وہ حقیقت آشنا زندگی کہتا ہے — زمانہ گواہ ہے، دراصل فکشن ہے۔ آدمی کی سمجھ بوجھ کے تانے بانے ظاہر تک محدود رہتے ہیں۔ احساس کے

* یعنی محدود طرزِ فکر کے تحت آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے۔

آئینے پر اتنے پردے ہیں کہ کُل عمر نادانستگی* کے فسانہ و فسوں میں بیت جاتی ہے۔

جنت سے نکل کر زبوں حال آدمی اِس دنیا میں آیا اور یہاں رہتے ہوئے مٹی سے ماورا نور کی دنیا سے ناآشنا رخصت ہوا تو آسمانی کتابوں کے مطابق وہ سراسر خسارے میں ہے۔

پہلے صفحے پر رباعی کے ابتدائی دو مصرعوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب آنکھ شبہ کرے، شبہ کس کا ہے
انساں جو نہ سمجھے تو گِلہ کس کا ہے

سوال یہ ہے کہ فکشن کیا ہے؟

لمحہ لمحہ نظر آنے والا تغیر، ٹوٹ پھوٹ، تعمیر و تخریب، اتار چڑھاؤ، عملِ خمیر، ایک شکل سے دوسری شکل میں ڈھلنا، شے کا بکھرنا وغیرہ۔

دانشوروں نے مادے کو ادھیڑا، ٹھوس سے مائع، مائع سے گیس، گیس سے پلازما پھر پلازما کے بعد کیا—؟ جب خسارے کے خلانے اندر سے پکارا تو خلا کو مادی روشنی سے پُر کرنے کی کوشش کی مگر فکشن ذہن نے مادی روشنی سے بھی نفع و نقصان کی تجارت شروع کر دی۔

حاملینِ قلندر شعور فرماتے ہیں کہ روشنی کی بھی اساس ہے جو نور کی دنیا ہے — یہی آدمی کی اصل دنیا ہے۔

آدمی اپنی دلچسپیوں میں مگن زندگی گزارتا ہے جس کا عکس جاگنے اور سونے، ہر دو حالت میں موجود ہوتا ہے۔ کوئی سونے کی حالت کی دلچسپیوں کے ریکارڈ کو اس بنیاد پر جھٹلانا چاہے کہ وہ یاد نہیں رہتیں تو جسے ہم جاگنا سمجھتے ہیں، اس حالت میں ایسے تجربات یا کیفیات سے ضرور گزرتے ہیں جب ہماری توجہ ماحول کی جانب نہیں ہوتی۔ نتیجے میں جاگنے کے باوجود دماغ ماحول کی اطلاعات کو ریکارڈ کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ماحول میں کیا ہوا، کیا دیکھا، کیا سنا، کس نے کیا کہا، کون پاس سے گزرا، کچھ خبر نہیں۔ جب توجہ ان چیزوں پر مبذول ہوتی ہے تو شعور اطلاع میں ریکارڈ سے آشنا ہوتا ہے۔

صاحبِ حال خواتین و حضرات بتاتے ہیں کہ کائنات میں ہر شے دوسری شے سے منسلک ہے، ایک دوسرے سے واقف ہے۔ اِس حیثیت میں

* نادانستگی (بے مقصد، بلاارادہ)

ہماری نگاہ پوری کائنات سے واقف ہے۔ یہ صلاحیت خالقِ کائنات اللہ کی طرف سے ہے جو اللہ نے اپنی صفت "صفتِ محیط" کے تحت انسان کو عطا کی ہے۔ واقف ہونے کی صلاحیت کی رفتار اسپیس کی قید سے آزاد ہے—ایک اسپیس سے دوسری اسپیس میں بلا رکاوٹ داخل ہوسکتی ہے۔

آپ رفتار کو آدمی کا اندرونی احساس کہہ سکتے ہیں جو بالفاظِ دیگر نگاہ ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی نگاہ ہے اور نگاہ دوست کو دیکھتی ہے، اس کے علاوہ سب گوشت پوست ہے۔

احساس کیا ہے؟ نگاہ ہے جو دیکھتی اور دکھاتی ہے۔ اس دیکھنے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے احساس میں فکشن شامل ہو جاتا ہے۔ باطن میں احساس کی طرز میں تقسیم نہیں ہے اس لئے وہاں وقت اور اسپیس کی موجودگی محسوس نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

"اور ہم اس کی رگِ جاں سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔" (قٓ : ۱۶)

یہ وہ مقام ہے جہاں حس میں تقسیم پیدا نہیں ہوئی۔ اس مقام سے بقیہ تمام احساسات کی نفی ہو جاتی ہے۔

روایتی تربیت کے باعث ہم اندر کی حس کو تقسیم کر کے اسے باہر کے حواس یا جاگنے کے حواس کہتے ہیں۔ حواس کی مذکورہ تقسیم دراصل احساس کے عکس ہیں۔ اس مقام پر احساس کو وقت اور فاصلے میں تقسیم سمجھ لیا جاتا ہے۔

احساس کے ٹکڑے علم سے شروع ہوتے ہیں اور سننے، دیکھنے، سمجھنے، سونگھنے، چھونے اور دیگر حسّیات میں بکھرتے جاتے ہیں۔ اس طرح خارجی حواس یا فرضی حواس کے متحرک ہونے سے علم کا ڈائی مینشن جس میں تقسیم نہیں ہے، بہت سے ڈائی مینشن میں ڈھل جاتا ہے۔ علم کی اس توسیعی شکل میں ہر حس کی اضافی صلاحیت شامل ہوتی ہے اور اسے غلطیوں سے مبرّا نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔

① احساس کے ٹکڑوں سے علم پر شکوک کا جال بن جاتا ہے۔ کیا جال سے اصل علم تک پہنچا جاسکتا ہے؟ دیکھئے، شکل نمبر ۱ (الف)۔

② احساس کی تقسیم سے اطلاع کی اصل پردہ میں رہتی ہے۔ اس سے پہلے یہ source کے قریب تھی — دوری نہیں تھی۔

ان دو نکات میں اطلاع کی ماہیت بیان کی گئی ہے جب کہ شکل ۱ کے دونوں حصے اطلاع کی

ماہیت میں تبدیلی کو ظاہر کرتے ہیں۔

ہم نے لکھا ہے کہ علم ایک ڈائی مینشن ہے۔ شکل ۱ (الف) کے مطابق جب اس کا مظاہرہ ہوتا ہے تو یہ آدمی کے دماغ میں شجر کی مانند پھیلتا ہے۔ پہلی نگاہ سے جو حسّیات ماخوذ ہوتی ہیں، وہ بقدرِ ظرف ہوتی ہیں— یہ ظرف نگاہ کا نہیں، اس فکر کا ہے جس کی وجہ سے متعلقہ حِس تخلیق ہوئی ہے* اس فکر کے دو اوصاف ہیں۔

① یہ لامحدود سے محدود اسپیس میں داخل ہوگئی— آنے جانے کا وقت معین ہوگیا۔

② اس کے خط و خال اور عنصری مقداریں ہیں یعنی گوشت پوست کی ایک خلیاتی کیمسٹری ہے۔ یہ مکانیت کی چھاپ ہے۔

اسپیس کے معین دورانیے کی چھاپ متعلقہ یا محدود فکر کے نتیجے میں تقسیم ہونے والی حِس کو تغیر سے گزارتی ہے۔ یہ تغیر ہائیڈروجن اور کاربن کے مرکبات میں عملِ خمیر کی ایک شکل ہے۔ جب سوچ میں تغیر (فکشن) ہے تو اطلاع کو اس نے جس طرح سمجھا ہے، اس پر کس قدر بھروسا کر سکتے ہیں؟

شکل ۱ (ب) میڈیکل سائنس کے لحاظ سے کھانے کے دوران ذائقے کے حسی نظام کا مختصر نقشہ ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ جو غذا لی گئی، اُس کا اصل ذائقہ ہمیں نہیں معلوم۔ یہ نظام تصدیق کرتا ہے کہ متعلقہ غذا جسم کے لئے مناسب ہے یا نہیں! تمام حسّیات تین حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں جن کا فعل بالترتیب ذائقہ، سونگھنا اور حساسیت ہے۔ غذا کی تحلیل کے لئے سب سے پہلے حسی نظام میں دورانیے کی تقسیم ہوتی ہے۔ ہر تقسیم میں اسپیس کے نقوش بنتے ہیں۔

شکل ۱ (ب) میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی اسپیس میں تینوں حسّیات کی خلیاتی ساخت ہے۔ ان کے خط و خال سے فاصلے قائم ہوتے ہیں۔ نقشے میں نیچے کی جانب نمبر 6 سطح پر دماغ کی طرف جانے والے نیوران ہیں۔ انہیں جو کیمیائی ذائقہ محسوس ہوتا ہے، اُسے کرنٹ کی شکل میں آگے بھیج دیتے ہیں۔

یاد رہے، غذا کا اصل ذائقہ، کیمیائی ذائقہ اور

---

* شعوری ظرف یا فہم کی محدودیت کے مطابق ایک حس کئی حسّیات میں تقسیم نظر آتی ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ فرد تمام حسّیات کو پہلی حس میں یکجا دیکھے لیکن وہ سماعت کو بصارت سے اور سماعت و بصارت کو احساس سے الگ سمجھتا ہے۔ اس طرح ایک شے سے متعلق الگ الگ حس تخلیق ہوتی جاتی ہے۔

الف

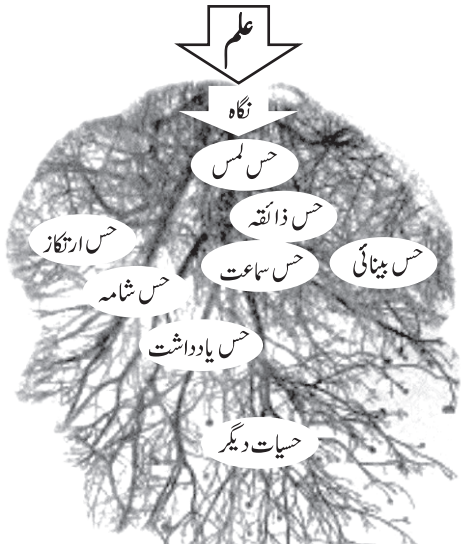

شکل ۱ (الف) میں علم و نگاہ کو آدمی کے حسّیاتی شجر میں تقسیم کر کے دکھایا گیا ہے۔
حسّیات کے مقامات موجودہ میڈیکل سائنس سے مطابقت رکھتے ہیں۔

ب

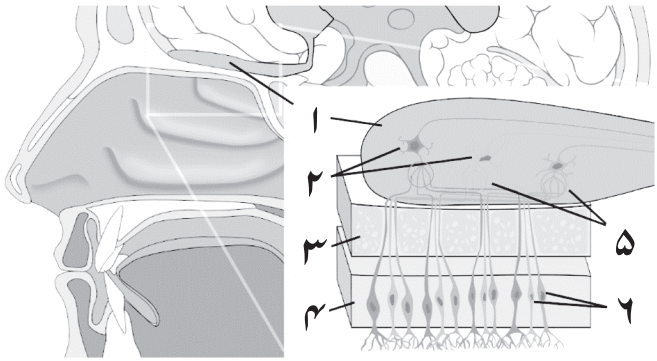

شکل ۱ (ب) میں خوراک لینے کے دوران تین حسّیات کی مکانیت دکھائی گئی ہے۔
مقام ۱ — حسّیات کا خول ایک الگ مکانیت ہے۔
مقام ۲ اور ۵ — ہاضمہ اور شامہ حسّاسیت کی مکانیت ہیں۔
مقام ۳ اور ۴ — حسّیات کے input میں شدت یا overload کو کم کرتے ہیں۔
مقام ۶ — اعصابی رگیں جو اصل سینسر کا بھی کام کرتی ہیں، ان میں کرنٹ دوڑتا ہے۔

اعصابی ذائقہ الگ الگ ہیں۔ اس طرح سمجھیں کہ آپ اعصابی ذائقے سے کیمیائی ذائقہ اور پھر سے اصل ذائقہ نہیں بنا سکتے۔ کیا ہر اسٹیج میں ابتدا سے انتہا یا اوپر سے نیچے تک اطلاع میں شک داخل نہیں ہوا—؟

کاربن اور ہائیڈروجن کے جال کا گوشت پوست ہر درجے میں مخصوص مقداروں کا حامل ہے اور ہر درجے میں کسی حس کی صلاحیت آدمی کی شعوری وسعت (ظرف) کے مطابق ہے۔ اسی کے ذریعے وہ اطلاع میں معنی پہناتا ہے۔ اگر شعور محدود ہے تو اطلاع کی تقسیم کے ہر درجے میں اصل اطلاع پر پردہ آتا جاتا ہے۔ تنزل کی اس طرز کے نقائص کو طبیعیات دان ناکارگی یا انٹراپی کہتے ہیں۔

شکل ۱ (الف) میں حسّیات کا شاخ در شاخ پھیلا ہوا جال ہے۔ یہ وہ جال ہے جو آدمی کو اطلاع کے ہر نزولی درجے میں حقیقت سے دور کرتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ آدمی کی نفسیات ہے جو کردار کا عکس ہے۔ آدمی جانے انجانے میں شکوک وشبہات کے مقبرے بنالیتا ہے۔

سراب

صحرا کی ریت کو دور سے دیکھنے پر پانی کا گمان ہوتا ہے۔ جب قریب جاتے ہیں تو وہاں ریت ہوتی ہے، پانی نہیں ہوتا۔ یہ منظر روشنی کے انعکاس اور مختلف درجۂ حرارت کی وجہ سے بنتا ہے۔ اسے سراب (mirage) کہتے ہیں۔

سراب کا عکس صحرا میں بنایا ذہن میں؟

بے یقینی اور شک فکشن زندگی کا ناسور ہیں۔ پیغمبران کرام علیہم السلام کی تعلیمات طرز فکر کے اس نقص سے دور رہنے کی ہدایت کرتی ہیں اور یقین سے روشناس کراتی ہیں۔

زندگی اعصابی تحریکات پر قائم ہے۔ اعصاب دماغی خلیات کے زیرِ اثر کام کرتے ہیں اور اس میں فرد کے اندر موجود شک اور یقین کا بنیادی دخل ہے۔ خلیات کو جس قدر شک سے وابستہ ذہنی سرگرمی میں مصروف رکھا جاتا ہے، ان میں ٹوٹ پھوٹ بڑھتی ہے۔ نتیجے میں سب سے پہلے صحت خراب ہوتی ہے، خوف وغم کا غلبہ ہوتا ہے اور زندگی اجیرن ہو جاتی ہے جب کہ شک سے پاک ذہن میں یقین آدمی کو پُرسکون زندگی کی جانب لے جاتا ہے۔

کنہیالال کپور

دانت اور زنبور

وہ مجھے دانت کی خرابیوں سے پیدا ہونے والی بیماریوں پر لیکچر دیتے رہے۔ ان کے خیال کے مطابق دنیا کی تمام بیماریاں دانتوں کے خراب ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ چناں چہ بدہضمی سے تپِ دق تک جتنے امراض ہیں، ان کا علاج داڑھ نکلوانا ہے۔

شیکسپیئر نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شاکر سے شاکر انسان بھی دانت کا درد برداشت نہیں کرسکتا۔ اس فقرے کی صداقت کو صرف وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں جن کو شیکسپیئر یا میری طرح کبھی دانت کا درد ہوا ہو ورنہ عام آدمی تو اس فقرے کو پڑھ کر بے اختیار مسکرا دیتا ہے اور کہتا ہے، یہ شیکسپیئر بھی کتنا سادہ لوح آدمی تھا۔ اگر دانت کے درد کی بجائے قولنج کا درد یا جگر کا درد لکھ دیتا تو شاید میں مان جاتا مگر دانت کا درد! حتیٰ کہ کسی دن اس (عام آدمی) کو اچانک رات کے گیارہ بجے دانت کا درد آجاتا ہے۔ پہلے پہلے وہ شاکر بننے اور شیکسپیئر کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کرتا ہے اور دل کو یوں تسلی دیتا ہے کہ آخر غالبؔ مرحوم نے بھی تو فرمایا ہے کہ

"درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا"

پھر خواہ مخواہ پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے مگر جب دو دن کے بعد یہ درد اسے رات کو سونے نہیں دیتا اور اس کی وجہ سے وہ گھر میں کسی اور کو سونے نہیں دیتا تو اسے شیکسپیئر کی بات کا کچھ کچھ یقین ہونے لگتا ہے اور تیسرے دن علی الصباح وہ اپنے آپ کو کسی دندان ساز کے ویٹنگ روم میں بیٹھا ہوا پاتا ہے۔

بعینہٖ* یہی حال پچھلے ہفتے میرا ہوا۔ ویسے تو میں تقریباً ہر درد سے آشنا ہوں مگر یہ معلوم نہ تھا کہ دانت کے درد میں وہ تڑپ مخفی ہے کہ دردِ دل، دردِ گردہ، دردِ جگر تو اس کے مقابلے

* بعینہٖ (ہو بہو، بالکل)

میں عین راحت ہیں۔ چناں چہ جب متواتر تین رات کراہنے اور ہر ہمسائے کے تجربے سے فائدہ اٹھانے کے بعد بھی درد میں کچھ افاقہ نہ ہوا تو ایک ڈاکٹر صاحب کی دکان کا رخ کیا جو دانتوں کی بیماریوں کے ماہر ہیں اور دانت بجلی سے نکالتے ہیں۔

شاید موخرالذکر چیز* سے نکالنے کے طریقے نے مجھے ان کی جانب رجوع کرنے کو اکسایا کیوں کہ درد اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ بجلی کے سوا شاید ہی کوئی دوسری چیز مجھے بچا سکتی۔

چناں چہ میں نے ان کی دکان میں لپکتے ہوئے کہا، میری بائیں داڑھ فوراً بجلی سے نکال دیجئے۔

ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا، جناب! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

میں نے کہا، آپ مجھ سے راہ و رسم بعد میں بڑھا سکتے ہیں۔ پہلے میری بائیں داڑھ نکالئے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا، تشریف رکھئے، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی نکالے دیتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ پر سوالات کی بمباری شروع کر دی۔ مثلاً،

داڑھ میں کب سے درد ہے؟

کیوں درد ہے؟

اوپر والی داڑھ میں ہے یا نیچے والی داڑھ میں؟

اس سے پہلے بھی کبھی دانت نکلوایا ہے؟

کیا صرف ایک ہی دانت نکلوانا چاہتے ہیں؟

اب میں تھا کہ درد سے بے تاب ہو رہا تھا اور ہر سوال کا جواب دینے کی مجھ میں ہمت نہ تھی مگر ڈاکٹر صاحب برابر مسکرائے جا رہے تھے اور جب میں درد سے کراہتا تو ان کی مسکراہٹ زیادہ دل آویز اور دلکش ہو جاتی۔

آخر جب انہوں نے دو تین دفعہ میرے منع کرنے کے باوجود اچھی طرح داڑھ کو ہلایا اور دیکھا کہ شدتِ درد سے مجھ پر بے ہوشی طاری ہوا چاہتی ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی دانت کا درد ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دو تین اوزار گرم پانی میں ابالنے لگے۔

میں نے کہا، اجی حضرت! جلدی کیجئے۔ بجلی سے میری داڑھ نکالئے۔

کہنے لگے، آج بجلی خراب ہو گئی ہے اس لئے داڑھ ہاتھ سے نکالنا پڑے گی۔

---

* موخرالذکر چیز (یہاں بجلی کی طرف اشارہ ہے۔)

جتنا عرصہ اوزار گرم ہوتے رہے — ڈاکٹر صاحب مجھے دانت کی خرابیوں سے پیدا ہونے والی بیماریوں پر لیکچر دیتے رہے۔ ان کے خیال کے مطابق دنیا کی ساری بیماریاں دانتوں کے خراب ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ چناں چہ بدہضمی سے تپِ دق تک جتنے امراض ہیں، ان کا علاج داڑھ نکلوانا ہے۔

اس لیکچر میں انہوں نے لوگوں کی عادات پر بھی کچھ تبصرہ کیا۔ مثلاً یہاں کے لوگ بے حد بے پروا واقع ہوئے ہیں۔ امریکا اور انگلینڈ میں ہر آدمی سال میں چار دفعہ دانت صاف کرواتا ہے مگر یہاں لوگ اس وقت تک دندان ساز کی دکان کا رخ نہیں کرتے جب تک دانت کو کیڑا لگ کر سارا مسوڑھا تباہ نہ ہو جائے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آپ جیسے پڑھے لکھے آدمی بھی دانتوں کی ذرا پروا نہیں کرتے۔ اگر لوگ محتاط ہوں تو آج ان کی مشکلیں حل ہو جائیں۔

اس قسم کے متعدد جملے وہ ایک ہی سانس میں کہہ گئے حتیٰ کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ لوگوں کے سچے خیر خواہ صرف وہ ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ جانے لوگوں کی کیا حالت ہوتی۔

جب اوزار گرم ہو چکے تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، اب انجکشن ہوگا۔ انجکشن کے نام سے مجھے روزِ اول سے چڑ ہے کیوں کہ میرے خیال میں انجکشن مہذب طریقے سے ایذا پہنچانے کا دوسرا نام ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے یقین دلایا کہ انجکشن سے کسی قسم کا درد نہیں ہوگا۔

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ کسی قدر مبالغہ آمیزی سے کام لے رہے تھے کیوں کہ انجکشن سے کافی درد ہوا۔ انجکشن کے دو تین منٹ بعد انہوں نے زنبور* پکڑا اور اب مجھے وہ آدمی کی بجائے موت کا فرشتہ نظر آنے لگے۔ دل میں آیا کہ ہمت کر کے بھاگ نکلوں۔

میں اٹھنا چاہتا تھا کہ انہوں نے ذرا نرمی سے کہا، یہ میں آپ کو بارہویں دفعہ پھر یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو مطلقاً* درد نہیں ہوگا۔

میں نے دبی زبان سے کہا، میں آپ کو بارہویں دفعہ یقین دلاتا ہوں کہ مجھے آپ کی بات کا یقین نہیں ۔۔۔ مگر انہوں نے معاملے کو طول نہ دیتے ہوئے مجھے منہ کھولنے کو کہا، وہ داڑھ کو زنبور کی گرفت میں لائے اور مجھے محسوس ہوا کہ اب وصیت کرنے، احباب اور اقربا کو آخری

---

* زنبور (کسی شے کو نکالنے یا پکڑنے کے لئے دوشاخہ اوزار) * مطلقاً (مکمل طور پر)

تلقین کرنے کا وقت آ پہنچا ہے۔

انہوں نے زنبور کو جھٹکا دیا اور درد حد سے گزر کر قضا معلوم ہونے لگا۔ دوسرا جھٹکا دیا اور میں سمجھا کہ اب انہوں نے مجھے ضرور جان سے مارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد دانت اور زنبور میں باقاعدہ کُشتی شروع ہوئی۔ داڑھ اپنی جگہ پر اس طرح قائم تھی جس طرح قطب مینار ہزاروں زلزلوں کے باوجود اب تک اپنی جگہ پر جما ہوا ہے مگر اس کھینچا تانی میں، میں مفت میں ذبح ہو رہا تھا۔ یہ کُشتی یا کشمکش کافی عرصے تک جاری رہی اور آخر زنبور اور دانت میں یہ تصفیہ ہوا کہ آدھی داڑھ زنبور کے منہ میں اور آدھی میرے منہ میں رہے۔

ڈاکٹر صاحب اس وقت پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ ان کی گھبراہٹ دیکھ کر قریب تھا کہ میں بھی ہوش و حواس کھو بیٹھوں۔

انہوں نے بناوٹی مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا، توبہ! کتنی گہرائی میں ہے یہ داڑھ۔ بہت کوشش کی کہ نہ ٹوٹے مگر ٹوٹ گئی۔

درد سے کراہتے ہوئے کہا، اب کیا ہو گا؟

وہ بولے، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد انہوں نے جس طرح میری باقی کی آدھی داڑھ نکالی، یہ صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہیں دانت ٹوٹنے کا سانحہ کبھی پیش آیا ہو۔ بس صرف یہ سمجھ لیجئے کہ میری وہی حالت تھی جو آپ کی ہو — اگر میں آپ کے بدن میں متعدد جگہوں سے لمبی لمبی سوئیاں چبھوتا جاؤں اور ساتھ ساتھ آپ کو تسلی دیتا رہوں کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی پیہم کوشش کے بعد ڈاکٹر صاحب باقی داڑھ نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس عرصے میں مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کئی بار اگلے جہاں پہنچا ہوں اور کئی بار وہاں سے لوٹا ہوں اور پھر آخر کار میں نے اپنے آپ کو نیم بسمل* کی سی حالت میں ڈاکٹر صاحب کی کرسی پر بیٹھا ہوا پایا۔

کچھ ہوش سنبھالا تو ایسا معلوم ہوا کہ منہ سے بے تحاشا خون بہہ رہا ہے اور ڈاکٹر صاحب ایک گلاس لے کر جس میں سرخ رنگ کی کوئی دوا گھلی ہوئی ہے، کرسی کے نزدیک کھڑے ہیں۔

اس کے بعد چند ثانیے* نہایت عذاب کی

---

* بسمل (شدید درد یا تڑپ میں مبتلا کیفیت) * ثانیے (سیکنڈ)

حالت میں گزرے۔

ڈاکٹر صاحب غرارے کرنے کو کہہ رہے تھے اور میں انہیں ایمبولینس کار کے لئے فون کرنے کو عرض کر رہا تھا اور ساتھ ہی سوچ رہا تھا کہ اس حالت میں اٹھ کے نزدیک کے پولیس اسٹیشن میں جا کر اس سانحے کی رپورٹ درج کراؤں تو شاید ضرورت کے وقت کام آئے۔

بارے کہیں پندرہ منٹ کے بعد خون بہنا بند ہوا۔ کچھ ڈھارس بندھی مگر اب سخت درد ہونا شروع ہوا اور میں نے بہتری اسی میں سمجھی کہ ڈاکٹر صاحب کی دکان میں بے گور وکفن* مرنے کی نسبت گھر لوٹ چلوں۔ تانگے میں بیٹھ کر بڑی مشکل سے گھر پہنچا اور ایک گھنٹے تک اوندھے منہ بستر میں لیٹا کراہتا رہا۔

اس کے بعد جوں جوں درد کم ہوتا گیا، گال سوجتا گیا حتیٰ کہ دو تین گھنٹے کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا میرے جسم پر کسی اور شخص کا چہرہ لگا ہوا ہے۔ اس وقت میں سمجھا کہ کیوں ہمارے لوگ دندان ساز کی دکان کا آسانی سے رخ نہیں کرتے۔

ہنسنے کی اجازت ہے

برسوں پہلے کا ذکر ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار ایس پی سنگھا کے گیارہ بچے تھے۔ ہر بچے کے نام کا آخری حصہ "سنگھا" تھا۔ مشہور ہے کہ جب ایس پی سنگھا صاحب کے ہاں بارہواں لڑکا پیدا ہوا تو معروف مزاح نگار شوکت تھانوی صاحب سے بچے کے نام کے سلسلے میں مشورہ کیا۔

شوکت تھانوی صاحب نے بے ساختہ کہا،

آپ اس کا نام بارہ سنگھا رکھ دیجئے۔

مشاعرے میں نامور شاعر موجود تھے۔ ایک نو آموز شاعر کو اپنا کلام سنانے کا موقع ملا۔ کلام غیر موزوں تھا۔ شعرا محفل کے آداب کو قائم رکھتے ہوئے خاموش تھے لیکن جوشؔ ملیح آبادی جوش و خروش سے داد دے رہے تھے۔ شاعر گوپی ناتھ امنؔ نے ٹوکا، یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

جوشؔ صاحب نے جواب دیا، منافقت۔

اور داد دینے میں دوبارہ مصروف ہو گئے۔

* بے گور وکفن (قبر اور کفن کے بغیر)

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

خورشید احمد

مچھلیوں کی بارش

1969ء کی ایک صبح امریکا کے شہر چیسٹر کے رہائشی کاموں میں مصروف تھے۔ بارش ہو رہی تھی۔ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ اس بارش میں پانی کے ساتھ کچھ اور برسنے والا ہے۔

نیلا آسمان، زمین پر دل نشیں رنگوں سے بھرے باغات اور درخت، درختوں پر پھول اور پھل اور پھلوں میں خواص — قدرت کی نعمتیں ہیں۔ زمین کی اس دل نشینی کا تعلق بارش سے ہے۔ بارش ہوتی ہے تو زمین پر سبزہ اُگتا ہے اور مخلوقات کی غذا کا اہتمام ہوتا ہے۔

معنویت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سبزہ محض سبز رنگ سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو زندگی کو سرسبز کرتی ہے، تر و تازہ اور شاداب رکھتی ہے، سبزے میں شمار ہوتی ہے۔

ہر تخلیق کی طرح ذہن قدرت کی باکمال تخلیق ہے۔ مختصر ہے کہ ہم کسی چیز کو کتنا چھوٹا کرکے دیکھتے ہیں یا اس کی وسعت کو کائنات پر محمول کرلیتے ہیں۔ ہم چاہیں تو سبزے کو ہرے رنگ تک محدود کردیں اور چاہیں تو ہر وہ شے جس میں زندگی ہے، اسے سبزے کے دائرے میں دیکھیں۔

آسمان کا ذکر ہو، زمین پر درختوں اور رنگوں کی بات ہو تو بارش کا ذکر آ ہی جاتا ہے کیوں کہ بارش کے بغیر زمین پر رنگینی ممکن نہیں۔ بارش سے ذہن میں فراوانی اور تیزی آتی ہے جو پھوار کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی تیز بوندوں کا برسنا یا تسلسل بن جاتی ہے۔

شہر میں رہنے والوں نے عموماً پانی یا اولوں یعنی جمے ہوئے پانی کی بارش دیکھی ہے لیکن پہاڑی مقامات، شہری زندگی سے دور میدانی علاقوں یا شہر کے مضافات میں رہنے والوں کا مشاہدہ ہے کہ مینڈکوں، مچھلیوں اور کبھی کبھار کریم (cream) کی بھی برسات ہوتی ہے۔

مینڈکوں اور مچھلیوں کی بارش کا ہم نے سنا ہے۔ انگریزی میں ”رینگ کیٹس اینڈ ڈاگز“ کا محاورہ موسلا دھار بارش کے لئے عام ہے لیکن بارش میں کریم یا بالائی نما شے کا برسنا لوگوں کے لئے نئی بات ہے۔

مضمون میں چند ایسے واقعات کا ذکر ہے جن میں غیر معمولی اشیا نہ جانے کہاں سے زمین پر برسیں کہ تحقیق و تلاش کا موضوع بن گئیں۔

1969ء کی ایک صبح امریکی ریاست جنوبی کیرولینا کے شہر چیسٹر کے رہائشی معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔ بارش ہو رہی تھی۔ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ اس بارش میں پانی کے ساتھ کچھ اور برسنے والا ہے۔

تھوڑی دیر میں بارش کا پانی گاڑھا ہو گیا۔

بارش کی جگہ گاڑھا محلول برسنے لگا اور جتنے رقبے پر بارش ہوتی رہی، یہ محلول وہاں پھیل گیا۔ علاقہ مکینوں نے اسے چکھا یا نہیں، اطلاع دینے والوں نے اس بابت کچھ نہیں کہا۔ کوئی چکھ لیتا تو ضرور ذکر کرتا کہ محلول کیسا تھا۔

تحقیقاتی ٹیموں نے اس کے نمونے جمع کئے۔ معلوم ہوا کہ علاقے میں ایک کارخانہ ہے جہاں کافی (coffee) میں ملانے کے لئے کریم بنائی جاتی ہے۔ ہوا کے عمارت سے باہر اخراج کے نظام میں کوئی خرابی پیدا ہوئی۔ تکنیکی ماہرین خرابی دور کرنے کی کوشش میں تھے کہ اس اثنا میں کریم بنانے کا پاؤڈر ہوا کے ساتھ باہر کی فضا میں شامل ہونا شروع ہوا۔ بارش کا پانی، پاؤڈر سے مل کر گاڑھا محلول بنا اور علاقے میں کافی بنانے کے لئے کریم کی بارش ہو گئی۔ جب تک کہ بات نہیں کھلی، لاعلمی نے اَن گنت فسانے گھڑ لئے۔ حقیقت معلوم ہونے پر لوگوں نے سوچا ہو گا کہ کیا تھا اگر ہم چکھ لیتے۔

واقعہ پڑھ کر خیال آتا ہے،

- کریم بنانے کے کارخانے کے باہر قدرت کا کارخانہ کس طرح سرگرمِ عمل رہا—؟
- فضا میں عناصر کے مابین کس طرح کیمیائی تعاملات* ہو رہے ہیں؟
- کیا فضا قدرت کی بنائی ہوئی لیبارٹری نہیں ہے جہاں ہر لمحہ کیا کچھ تخلیق ہوتا ہے؟

مچھلیوں کی بارش کے واقعات ہم نے سنے

* کیمیائی تعاملات (chemical reactions)

ہیں اور کچھ لوگوں نے دیکھے ہیں۔ پڑھئے ایک سالانہ جشن کے بارے میں جو ملک ہونڈراس کے شہر یورو میں "مچھلیوں کی بارش" کے نام سے ہر سال منایا جاتا ہے۔

یورو شہر میں سال میں ایک دو بار بارش یا طوفان کے ساتھ مچھلیاں برستی ہیں۔ 1970ء میں تحقیق و تلاش (سائنس) سے متعلق ایک معروف بین الاقوامی ادارے کے ماہرین نے یہ نظارہ دیکھا اور حیران رہ گئے۔

وہ حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ سکے کہ مچھلیاں اوپر کیسے پہنچتی ہیں یا یہ فضا میں پیدا ہو کر زمین پر برستی ہیں۔ انہوں نے نظریہ پیش کیا کہ جس طرح خشکی پر بگولے نما طوفان زمین پر موجود چیزیں اوپر اڑا لیتے ہیں یہاں تک کہ گاڑیاں اور چھتیں اڑا کر دور پھینک دیتے ہیں، اسی طرح یہ طوفان جب سمندر میں ایسی جگہ آتے ہیں جہاں مچھلیاں بڑی تعداد میں ہوں تو پانی کے ساتھ چھوٹی مچھلیوں کو بھی اوپر اٹھا لیتے ہیں۔

واضح رہے کہ سمندری طوفان کے ساتھ بارشیں بھی ہوتی ہیں اس لئے ماہرین کا خیال تھا کہ مچھلیاں طوفان کے ساتھ اوپر اٹھتی ہیں اور بارش کے پانی کے ساتھ نیچے گرتی ہیں۔

ان کے خیال کو مقامی لوگوں میں تقویت ملی کیوں کہ یورو شہر میں سمندری طوفان آتے ہیں اور مچھلیاں ساتھ لاتے ہیں۔

جب مچھلیاں برستی ہیں تو بعض دفعہ چوٹ لگنے سے مرجاتی ہیں اور کبھی کبھی زندہ مچھلیاں بھی تڑپتی ہوئی دیکھی گئی ہیں۔ محققین کو حیرت ہوئی کہ اتنی اونچائی سے گر کر زندہ کیسے رہیں۔

محترم قارئین! اگر آپ نے مچھلیوں کی بارش دیکھی ہے اور اس کے سبب کا علم ہے تو لکھ کر "ماہنامہ قلندر شعور" کو بھیجئے۔

---

15 جنوری 1877ء کو امریکی شہر میمفِس میں طوفانی بارش ہوئی۔ جب بارش کی شدت میں کمی آئی اور لوگ گھروں سے باہر آئے تو دیکھا کہ ہر طرف لگ بھگ ایک ایک فٹ لمبے پتلے سانپ نظر آئے جو بل کھاتے ہوئے رینگ رہے تھے۔ خوف و ہراس پھیل گیا۔

کچھ شہریوں نے کہا کہ ہم نے سانپوں کو اوپر سے گرتے ہوئے نہیں دیکھا اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بارش کے ساتھ برسے ہیں لیکن ماہرین کے نزدیک سوال یہ تھا کہ طوفانی بارش

کے ساتھ یہ پورے شہر میں کیسے پھیل گئے۔ عام رائے یہ تھی کہ طوفان نے ان سانپوں کو ان کی آبادی سے انہیں اٹھایا پھر یہ کہاں سے آئے، اس کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔

مچھلی کے بعد سب سے زیادہ برسنے والے جانوروں میں مینڈک کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ان کی برسات کا ایک قدیم دستاویزی ثبوت یونان کے فلسفی اور مؤرخ ہیراکلائٹس (Heraclitus) کی ایک تحریر میں ملا۔ ہیراکلائٹس نے لکھا،

"اتنے مینڈک برسے تھے کہ گھر اور سڑکیں بھر گئی تھیں۔"

ایک مغربی تحقیقی جریدے نے اپنے جولائی 1873ء کے شمارے میں امریکی شہر کنساس کے بارے میں لکھا کہ اتنے مینڈک برسے تھے کہ برسات کے دوران اندھیرا چھا گیا۔

مینڈکوں کا برسنا معمّہ بن گیا کیوں کہ وہاں قریب موجود پانی کے ذخائر میں اتنی تعداد میں مینڈک نہیں تھے۔

نو سال بعد جون 1882ء میں امریکا کے ایک شہر Dubuque میں مینڈک اولوں کی شکل میں برسے۔ یہ شہر امریکی ریاست آئیووا کے شمال مشرقی حصے میں واقع ہے اور دریائے مسی سپی کے مغربی کنارے پر ہے جہاں آئیووا، وسکونسن اور الی نوائے کی سرحدیں ملتی ہیں۔

محققین کا قیاس ہے کہ طوفان مینڈکوں کو اٹھا کر ایسی جگہ لے گیا جہاں ٹھنڈ کی وجہ سے یہ جم کر اولے بن گئے۔

سات جون 2005ء کو جنوب مشرقی یورپ کے ملک سربیا کے ایک چھوٹے قصبے اذاکی (Odzaci) میں طوفانی بارش ہوئی اور پانی کے ساتھ مینڈک برسے۔

پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں 16 اپریل 2025ء کو اتنے بڑے اولے پڑے کہ گاڑیاں تباہ ہوئیں اور سولر پینل ٹوٹ گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ گالف کی گیند کے برابر تھے۔ اسلام آباد کے علاوہ چینی شہر بیجنگ، امریکی ریاست ٹیکساس اور دنیا کے کئی علاقوں میں گالف کی بال کے برابر اولے پڑ چکے ہیں۔

یکم ستمبر 1969ء کو امریکی ریاست فلوریڈا کے قصبے پنٹا گورڈا کے رہائشی حیران رہ گئے جب ان کے قصبے میں بارش کے ساتھ برسنے والے اولے گالف کی گیند کے برابر نہیں بلکہ خود گالف کی گیندیں تھیں جب کہ علاقے اور قرب و جوار میں کسی ادارے نے گالف کی بال کھونے کی اطلاع درج نہیں کرائی۔

نشریاتی اداروں نے اس واقعہ کی خبر دی۔

ایک محقق نے کہا کہ ہو سکتا ہے یہ وہ گیندیں ہیں جو گالف کھیلنے کے دوران پانی میں گر جاتی ہیں اور وہاں پڑی رہتی ہیں۔ جب طوفان آیا تو اس نے پانی اور اس کے ساتھ گیندیں اٹھا کر شہر پر برسا دیں۔

مئی 2015ء میں آسٹریلیا کے نیو ساؤتھ ویلز کے علاقے گولبرن کے رہائشیوں نے ہزاروں مکڑیاں فضا میں معلّق دیکھیں۔ اس منظر نے دنیا بھر میں توجہ حاصل کی۔

جنوری 2019ء میں برازیل کی ریاست میناس جیرائس کے قصبے "اسپیریتو سانتو دو دورادو" میں بھی ایسا ہی منظر دیکھنے کو ملا۔

یہ Social Spiders کی ایک خاص قسم ہے۔ سائنسی نام Anelosimus eximius ہے۔ یہ مکڑیاں مل کر بڑے بڑے جال بناتی ہیں جو فضا میں درختوں کے درمیان پھیلے ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ جال اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ لگتا ہے، آسمان سے مکڑیاں گر رہی ہیں۔ ایسا تب محسوس ہوتا ہے جب یہ حرکت کرتی ہیں یا ہلکی بارش ہوتی ہے۔

آسٹریلیا اور برازیل کے شہریوں نے جب یہ منظر دیکھا تو حیران رہ گئے۔ وہ جال کی موجودگی سے لاعلم تھے کیوں کہ جال اتنے باریک اور اونچے تھے کہ نیچے سے دیکھنے پر نظر نہیں آئے۔ جب مکڑیاں جالوں پر حرکت کرتیں تو لگتا تھا کہ اوپر سے گر رہی ہیں۔

محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ مکڑیوں کی یہ خاص قسم دور کسی مقام پر جانے کے لئے ایک طریقہ استعمال کرتی ہے جسے غبارہ تکنیک کہا جاتا ہے۔ اس تکنیک میں مکڑیاں باریک باریک ریشم کے دھاگے بناتی ہیں، ہوا ان دھاگوں کو اڑا کر لے جاتی ہے، اس طرح مکڑیاں دور دراز علاقوں تک نقل مکانی یا ہجرت کرتی ہیں۔

ماہرین کہتے ہیں کہ یہ منظر ہر موسم میں دیکھنے کو نہیں ملتا—اس کے خاص موسم ہیں۔

مکڑیاں غبارہ تکنیک اپنی زندگی میں کئی بار استعمال کرتی ہیں لیکن بڑے پیمانے پر اس قسم کا نظارہ آدمیوں کے لئے عام نہیں ہے۔

یہ عجائبات کی دنیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آدمی جو کچھ جان چکا ہے، وہ دنیا کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ زمین کا بہت بڑا خطہ اب تک پردے میں ہے اور زمین پر موجود نظاموں کے بارے میں آدمی کی حیثیت طفلِ مکتب کی ہے۔

واقعہ معمولی ہو یا غیر معمولی، تفکر کی دعوت ہے کیوں کہ نظام میں اشتراک ہے اور ایک شے کے نظام میں بہت سے نظاموں کے راز ہیں۔

شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں،

کوہ و صحرا، دشت و دریا، بحر و بر
تختۂ تعلیمِ اربابِ نظر

پہاڑ، صحرا، دشت، دریا، تری اور خشکی، سب اربابِ نظر، اہلِ فکر اور عارفوں کے لئے علم کی تختیاں ہیں جن پر غور کر کے وہ اپنا سبق یاد کرتے ہیں۔ آیئے— نظامِ کائنات پر تفکر کر کے ہم بھی اربابِ نظر میں شامل ہوں۔

رنگین مینڈک

مینڈکوں کی بعض اقسام نہایت زہریلی ہیں اور پوائزن ڈارٹ فراگ کے نام سے مشہور ہیں۔ رنگ نیلے، پیلے، سرخ، سبز، نارنجی اور سنہری ہیں۔ جسامت ایک سے ڈھائی انچ ہے۔ جنوبی امریکا کے برساتی جنگلات ان کا مسکن ہیں۔ ان کا زہر فوری اثر کرتا اور جان لیوا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ یہ زہر انہیں مخصوص کیڑوں کی خوراک سے حاصل ہوتا ہے— اپنی مخصوص غذا سے محروم رکھا جائے تو زہر ختم ہو جاتا ہے۔ قبائلی لوگ ان کے زہر کو تیروں یا نیزوں پر لگا کر شکار کرتے تھے اس لئے ان کا نام "ڈارٹ فراگ" ہو گیا۔ ڈارٹ چھوٹا، نوکیلا ہتھیار یا آلہ ہے۔

DEFENCE
3D - OPG - CEPH

3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM

KARACHI

3D

Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.

Maxillofacial

Implant Planning

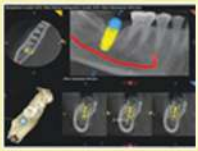

OPG

CEPH

Take Your Practice to the Next Level !

Defence branch:
0213-8941506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

Sharfabad branch:
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

عظیمی انسٹیٹیوٹ آف کلر تھراپی

سرپرست:

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی رحمۃ اللہ علیہ

حکومتِ پنجاب سے منظور شدہ

TEVTA NAVTCC PBTE NCT

کلر تھراپی ڈپلومہ کورس

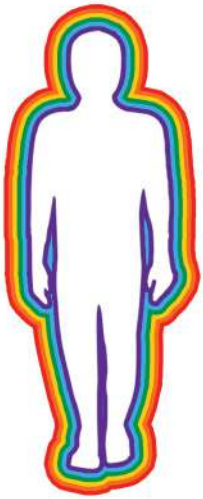

Career Opportunities

Graduates of this course can find employment opportunities in the following areas:

- Colour Therapy Clinics
- Alternative Medicine Departments
- Alternative Medicine Research Centers

WhatsApp
0334-6396370

Email
azeemi.colourtherapy@gmail.com

Website
www.azeemicolourtherapy.com

Head Office
204-B Tariq Gardens, Lahore

Sub Office
Azeemi Hospital, Kahna Nau, Lahore.

محمد عدنان خان

کورشِ اعظم

زمانیت کی بے رنگی سے طلوع ہونے والی مکانیت کے طول و عرض پر پھیلی ایک ایسے سرخیل رَزم و بزم طلسم کی داستان جس کے قدموں کی دھمک سے زمین لرزہ براندام تھی اور جس کے نام کا کواکب میں شہرہ تھا۔

گزشتہ اقساط کا خلاصہ: قدیم سلطنت فارس کی ابتدا موجودہ ایران کے قدیم علاقے انشان سے ہوئی جس کا حکمران کمبائسس تھا۔ وہ مدائن (میڈیا) کے بادشاہ استغیز کا داماد تھا۔ کمبائسس اور شہزادی منڈانہ شادی کے کئی سال تک بے اولاد تھے۔ ایک شب منڈانہ نے خواب دیکھا جس کی تعبیر بادشاہ کے لئے پریشان کُن تھی۔ اس نے وزیر ہاراپاگس کی مدد سے بچے کو مارنے کا منصوبہ بنایا۔ شاہی چرواہے میتھرابیٹس اور اس کی طبیبہ بہن کو جبراً ذمہ داری سونپی گئی۔ قدرت کو بچے کی حفاظت منظور تھی۔ جس روز شہزادی کے ہاں ولادت ہوئی، اسی روز چرواہے کے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ طبیبہ نے بچہ تبدیل کر کے بھائی کو دے دیا۔ بچے کا نام کورش رکھا گیا۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ ایک روز شاہی لڑکوں نے اس کی بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کر دیا۔ اس نے انہیں مار بھگایا اور بعد میں گرفتاری دے دی۔ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اس کے نقوش دیکھ کر چونک گیا۔ کورش کی حقیقت معلوم ہونے پر بادشاہ کی نیند اڑ گئی۔ مارنے کی کوشش کی تو وہ زندان سے فرار ہو گیا۔ ملکہ اور منڈانہ کو حقیقت معلوم ہو گئی تھی۔ انشان واپس جاتے ہوئے ماں کو بچھڑا ہوا بیٹا مل گیا۔ وہ اسے انشان لے آئی۔ کورش اور مدائن کے بادشاہ استغیز کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا۔ کورش کی گرفت مضبوط اور استغیز کی گرفت کمزور ہوتی گئی۔ اُدھر بابل کا محاذ بھی سرگرم ہو رہا تھا۔ اب آگے پڑھئے۔

کورش اور کساندانے دونوں خوب صورت اور پُراثر شخصیت کے مالک تھے۔ کساندانے کو سب کیس کے نام سے پکارتے تھے۔ کیس کو کورش کی باطنی زندگی کے بارے میں جاننے کا اشتیاق تھا مگر اس کی کم گوئی اور رعب کی وجہ سے خاموش رہتی تھی۔ صرف افرند تھا جو اس سے بے تکلفی سے گفتگو کرتا تھا، باقی لوگ بات کرنے سے پہلے کئی مرتبہ سوچتے تھے۔

جب تک شادی کی تیاری مکمل ہوئی، جنگ کے آخری معرکے کی تیاریاں بھی تکمیل تک پہنچ چکی تھیں۔ کمبائسس نے شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے لئے افرند سے کہا کہ بیٹھو اور حساب کتاب لگا کر بتاؤ۔ افرند خوشی خوشی چوبی تختے پر اپنے سامان کے ساتھ آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا۔ وہ قرعۂ ساعت لکھ کر پھینکتا اور زائچہ کھینچ کر ملاتا۔ چاند کی چودھویں تاریخ کو بروز جمعرات بعد از غروبِ آفتاب ــــ خورشید و ماہ، برجِ حمل میں دکھائی دیے۔ زہرہ، مشتری اور عطارد، سعدِ اکبر میں تھے۔ زحل سعدِ اکبر میں داخل ہو رہا تھا جب کہ مریخ سعدِ اصغر میں موجود تھا۔ سیاروں کی یہ ترکیب حیرت انگیز تھی۔ فکرمندی مریخ کی جانب سے تھی۔ اس کے باوجود سیاروں کے جو مقامات دکھائی دے رہے تھے، افرند کے لئے باعثِ حیرت تھے۔ جہاں یہ ساعت شادی کے بندھن کے لئے بہت موزوں اور بابرکت تھی، وہاں کورش اور کیس کے لئے بحیثیت حکمران بہت بھاری تھی۔

کمبائسس اور منڈانہ کی جانب سے شادی کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ وہ محل بھی تعمیر ہو گیا تھا جسے کمبائسس نے "کاخِ زرّیں" کا نام دیا تھا۔ اس کی تعمیر کا آغاز کمبائسس نے مدائن کے بادشاہ اور اپنے سسر استیغیز کے وزیر ہاراپاگس کی بغاوت اور انشان میں شمولیت کے بعد سے شروع کر دیا تھا۔

کاخِ زرّیں ــــ موجودہ ایران میں اورگان (Avorgan) کے مقام پر جھیل کے کنارے واقع تھا۔ اس کی بنیاد کمبائسس نے منڈانہ کے ہاتھوں رکھوائی تھی۔ اس پر خرچ ہونے والی رقم کا بڑا حصہ چرواہے میتھرا بیٹس نے فراہم کیا تھا۔ اس نے کورش کو بچپن سے ملنے والے تحائف جو اٹبتانا سے جان بچا کر فرار ہوتے وقت باولی کنوئیں کے نچلے کمروں میں چھپائے تھے، وہاں سے خفیہ طریقے سے لا کر کورش کی اجازت سے تعمیراتی اخراجات کے لئے مہیا کئے تھے۔ یہ وہ خزانہ تھا جسے دیکھ کر سب انگشتِ بدنداں تھے۔ خزانے میں طلائی اور نقرئی اشیا اور قیمتی پتھر کسی اور دنیا کے معلوم ہوتے تھے۔ کمبائسس کے سر میں سودا سمایا ہوا تھا کہ اسے کورش کے شایانِ شان محل تعمیر کروانا ہے۔

یہاں محل کی توصیف میں دو جملے ضروری

ہیں۔ محل اور اس سے متصل باغ اُس دور میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس کی چار دیواری میں سنگِ سبز پر سنہری دھات (بھرت) کی ملمّع کاری کی گئی تھی جس سے سونے (gold) کا گمان ہوتا تھا۔ دیواروں پر جابجا طوطی، بلبل، پھد کی، لعل، مینا، سینہ باز اور مرغِ زرّیں کے مجسمے بنا کر رکھے گئے تھے کہ رَوِشوں پر بلّور کی پٹریوں کا گمان ہوتا۔ کیاریوں میں قسم قسم کے پھولوں کے پودے لگائے گئے تھے جن میں گُلِ لالہ، جعفری، داؤدی، بابونہ، گیندا، ہزارا، بیلہ، چنبیلی، پھرکی، موگرا، جوہی، سوسن، رائے بیل، سیوتی، کیتکی، کیوڑا، کلغہ، گُلِ مہندی، دوپہریہ، نیازبو، سورج مکھی، اورنگ، مدن بان، عباسی اور نہ جانے کون کون سے پودے منڈانہ نے اپنی نگرانی میں لگوائے تھے۔ باغ کئی قطعوں میں تقسیم تھا۔ کناروں پر کیاریاں اور درمیان میں گہری سبز باریک گھاس ایسی تھی جیسے مخملیں چادر بچھی ہو۔ ہر قطعہ کے کونوں پر مولسری، شمشاد، سرو اور ہار سنگھار کے درخت تھے جن میں بلبل، فاختہ اور قمریاں کو کوزن رہتی تھیں۔

باغِ زرّیں کی دیکھ بھال مالنوں کے ذمے تھی جن کے زربفت کے سبز لہنگے اور بادلہ* کی سرخ چنریاں باغ کے پھولوں کے ہم وزن نظر آتی تھیں۔ آبجوئیں* جو جھیل کے پانی سے نکلتی تھیں، ہر دو قطعوں کے بیچ ان کی جگہ بنائی گئی تھی جن پر بگلے، قرقرے، سرخاب، مرغابیاں اور چہے اٹھکھیلیاں کرتے۔ نافِ باغ میں موجود قصرِ سفید، سنگِ مرمر کی دیواروں اور ستونوں سے بنایا گیا تھا۔ اس کا فرش سنگِ سبز کا تھا۔ قصر کی دیواروں پر سنہری دھاتی بھرت کی ملمّع کاری کی گئی تھی جو دن میں سورج کی کرنوں کے انعکاس سے دمکتی تھی تو رات میں چاندنی کے انعکاس سے الگ ہی منظر پیش کرتی تھی۔

انشان، ایران کے موجودہ شہر شیراز کے مقام پر واقع تھا اور "کاخِ زرّیں" ایران کے موجودہ علاقے اورگان کے مقام پر تھا۔ دونوں کے درمیان تقریباً 350 کلومیٹر کا فاصلہ تھا جو تیز رفتار گھوڑوں پر لگ بھگ چھ سات گھنٹوں میں طے ہو جاتا تھا۔ بیتان کا جنگی محاذ قصرِ زرّیں سے آگے تقریباً 250 کلومیٹر دور ایران کے شہر خرم آباد کے نزدیک تھا جس کی فتح کے لئے

* بادلہ (سونے، چاندی یا ریشم کے تاروں سے بُنا لباس) * آبجوئیں (چھوٹی نہر یا چشمہ)

کورش نے بھرپور تیاری کی ہوئی تھی۔ خرم آباد (بیتان) سے اٹبتانا کی فتح معمولی بات رہ جاتی جو موجودہ ایران میں ہمدان کے مقام پر واقع تھا۔ اٹبتانا — میڈیا (مدائن) کا دارالحکومت تھا جہاں سے استنغیز مدائن کی نگرانی کرتا تھا۔

دوسری طرف کمبائسس جہاں بہترین جنگجو تھا، وہاں منڈانہ کی رگوں میں دوڑتا شاہی خون منڈانہ کو بہادری اور حشمت کے منصب پر فائز کرتا تھا — دونوں کا خون کورش کی رگوں میں دوڑ رہا تھا جو نہ صرف تاریخ کی ایک مضبوط سلطنت سے نبرد آزما تھا بلکہ اسی معرکے کے درمیان کچھ وقت والدین کی خوشیوں کے لئے مختص کر کے شادی پر آمادہ ہوا تھا۔

افرند کی جانب سے مقرر کی گئی تاریخ جب آپہنچی تو منڈانہ نے دلہا اور دلہن کو اہتمام سے تیار کروایا۔ دلہا کے روپ میں کورش کی تاب ہی اور تھی مگر چہرے پر بے چینی کے سائے منڈلا رہے تھے — ملکہ منڈانہ سمجھ گئی کہ بیٹا تخلیہ چاہتا ہے۔ اس بات کی نشاندہی کورش کی رضاعی ماں کمبانہ نے بھی منڈانہ سے سرگوشی میں کی۔ اس نے کورش کی کفالت کی تھی، ماں کی محبت دی تھی۔ ایک ماں کی طرح وہ اس کی بے چینی کو محسوس کر لیتی تھی۔

کمبائسس کا محل معززین سے بھرا ہوا تھا۔ ہر کسی کی خواہش تھی کہ وہ دلہا کو ایک نظر دیکھ لے۔ منڈانہ کے اشارے پر افرند کورش کو لوگوں سے بچاتا ہوا اوپری منزل پر اس کی خواب گاہ میں لے گیا۔ کورش نے افرند کی پیٹھ کو تھپتھپا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ افرند اسے چھوڑ کر دیگر کاموں کے لئے نیچے آ گیا۔

محل سے متصل باغ کے بیچوں بیچ سبز آگ کا الاؤ روشن کیا جا چکا تھا جس میں صندل کے ساتھ قیمتی اور خوش بودار لکڑیوں اور کچھ دھاتی مرکبات کا استعمال کیا گیا تھا۔

اُس دور میں نکاح کی تقریب آگ کے سامنے انجام دینے کا رواج تھا۔ آگ کے اطراف نشست گاہیں سجائی گئی تھیں جن میں امرا و رؤسا کے ساتھ انشان کے معززین براجمان تھے۔ دلہا اور دلہن کا انتظار تھا۔ دونوں تیار ہو کر حور و غلمان کو شرما رہے تھے۔

منڈانہ کے بلوانے پر کورش کمرے سے باہر نکلا تو اس نے کچھ اضافی چیزیں زیب تن کی

ہوئی تھیں جن کا بندوبست منڈانہ یا کسی اور کی جانب سے نہیں کیا گیا تھا۔ سر پر رُوپہلی کرنیں بکھیرتی پگڑی جس میں تاج کی جگہ ”گرین جاوا مور“ کے پروں کے کئی ٹکّل جن کے نیچے بیضۂ کبوتر کے برابر نیلگوں ہیرا دمک رہا تھا۔ گلے میں سہ لڑی سچے موتیوں کا ہار جس کے موتی چمک میں بلّور کو شرما رہے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں نقرئی کلائی بند ایسے دمک رہے تھے گویا ان کی چمک خاورِ فلک کی کرنوں کے انعکاس کا نتیجہ نہ ہو بلکہ انگار کی مانند خود دمک رہے ہوں۔ قصہ مختصر — کورش آن، بان، شان میں کسی دوسری دنیا کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ دیکھنے والے پلکیں جھپکانا بھول گئے۔

فضا میں عود و صندل کی خوش بو رچی ہوئی تھی۔ دلہا، دلہن نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ نکاح کی تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوگیا تھا کہ تیز قدموں سے چلتا ہوا کورش کا اہم سپہ سالار جو بظاہر عام اور شادی کی مناسبت سے لباس میں ملبوس تھا، کورش کے نزدیک آیا تو وہاں شناخت چھپائے عام لباس میں موجود محافظ دائیں بائیں ہوگئے۔ اس نے کورش کے کان میں کچھ کہا۔ کورش نے غیر محسوس طور پر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو مخصوص انداز میں جنبش دی۔

یہ اشارہ سپہ سالار کے لئے تھا۔ وہ پلٹا اور تیزی سے واپس چلا گیا۔ کورش کے ساتھ بیٹھی کیس نے انگلیوں کی جنبش دیکھ لی تھی اور اس مخصوص فوجی حکم کو خوب سمجھتی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی مسرت و شادمانی کی لہروں کی جگہ فکر مندی نے لے لی۔ کورش کے چہرے پر سکون تھا۔ وہ خوش نظر آرہا تھا مگر احساس ہوگیا تھا کہ کیس، سپہ سالار کو دیا گیا اشارہ سمجھ گئی ہے۔ حالات کی نوعیت جان کر کیس کے وجود سے پریشانی کی لہریں نکل رہی تھیں۔

کورش نے تسلی دیتے ہوئے سرگوشی میں کہا، کیس، ہمارے پریشان ہونے سے حالات تبدیل نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہو۔ جو لکھا جا چکا ہے، وہ ہو کر رہے گا، پُرسکون رہو۔ سرحدوں پر کیا ہو رہا ہے، اگر مہمانوں کو معلوم ہوگیا تو افراتفری پھیل جائے گی۔ تقریب کے اختتام تک ہمیں پُرسکون رہنا ہے۔

کمبائسس کے اپنے خفیہ ذرائع تھے۔ اسے مدائن کی جانب سے کئے جانے والے حملے کی

اطلاع مل گئی تھی۔ وہ کورش کا باپ اور جہاندیدہ تھا۔ اس کا ردِّعمل وہی تھا جو کورش کا تھا۔ اس نے اپنے طور مدائن کے باغی وزیر ہاراپاگس کی سربراہی میں ایک بڑا تربیت یافتہ فوجی دستہ تیار کیا تھا جو ناگہانی حالات میں کورش کی فوجی قوت کے لئے معاون تھا۔

کمبائسس غافل نہ تھا البتہ دشمن، باپ بیٹے کو غافل سمجھ رہے تھے اور وہ دونوں ظاہر یہی کررہے تھے کہ وہ شادی کی مصروفیات میں مشغول ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ کمبائسس اور کورش عام حالات سے زیادہ چوکنّا تھے اور جنگ کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ دونوں کو آنے والے حالات کا نہ صرف ادراک تھا بلکہ اپنے تئیں تمام حفاظتی انتظامات کر چکے تھے۔

شادی کی تقریبات رات گئے جاری رہیں۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ سرحدوں پر گھمسان کا رَن پڑا ہے۔ مدائن کی سلطنت نے اندرونِ خانہ لیڈیا سے سازباز کرلی تھی۔ ان کی خفیہ کمک مدائن کو حاصل تھی۔ کمبائسس ایک طرف بیٹے کی شادی کی تقریبات کو بحسن وخوبی جاری رکھے ہوئے تھا تو دوسری طرف معلومات کا ترسیلی نظام جو کبوتروں، بازوں، شاہ بازوں اور عقابوں کے علاوہ رات کے پرندوں جیسے الوؤں پر مشتمل تھا، کے ساتھ رابطے میں تھا، احکامات جاری کررہا تھا اور معلومات وصول کررہا تھا۔ وزیر ہاراپاگس کی جانب سے فوجی کمک انشان کی فوج میں شامل ہوگئی تھی۔

ہاراپاگس کو بیٹے کی المناک موت یاد تھی۔ وہ پورے جنون کے ساتھ مدائن کے باغی دستوں کی قیادت کررہا تھا اور اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے سرگرم تھا۔ اس کی سوچ وفکر پر بیٹے کے بے دردی سے قتل کی تکلیف، آگ کی طرح دہک رہی تھی۔ وہ اس آگ میں مدائن کو جھونک دینا چاہتا تھا۔ انجام کی پروا تھی نہ انعام کا لالچ — بیٹے کی موت نے اس کی بیوی کو نیم پاگل کردیا تھا۔ بادشاہ استغیز کے اشاروں پر چلنے کی وجہ سے ہنستا بستا گھر اجڑ گیا تھا۔ اس کا ایک کردار وحشی پہلے ہی کورش کے ہاتھوں جہنم واصل ہوچکا تھا۔ دوسرے کردار بادشاہ استغیز کے خلاف وہ کورش کی سربراہی میں نبرد آزما تھا۔

(قسط: ۲۲)

اقتباسات

"ماہنامہ قلندر شعور" کو گُل دستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

لازمانیت موجودات یا کائنات کی بیس (base) ہے۔ اگر ہم لازمانیت کو ایک نقطہ سے تشبیہہ دیں تو اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ نقطہ میں کائنات کا یکجائی پروگرام نقش ہے۔ لہروں کے ذریعے اس نقطہ سے جب کائنات کا یکجائی پروگرام نشر ہوتا ہے تو انسان کے حافظے سے ٹکراتا اور بکھرتا ہے، بکھرتے ہی ہر لہر مختلف شکلوں اور صورتوں میں ہنستی بولتی، چلتی پھرتی، گاتی بجاتی تصویر بن جاتی ہے لیکن چوں کہ انسان کا حافظہ جبلّی طور پر (فطری نہیں) محدود ہے اس لئے حافظہ ایک دائرے کے اندر محدود ہونے کی وجہ سے تصویر کے مابین فاصلہ بن جاتا ہے۔ یہی فاصلہ ہمیں کسی چیز کو خود سے دور دکھاتا ہے لیکن ہمارا دیکھنا fiction یا مفروضہ ہے۔ اگر ہم اس base یا نقطہ کو تلاش کرلیں جہاں کائنات کا یکجائی پروگرام نقش ہے تو فاصلہ معدوم ہوجاتا ہے۔ (سلطانہ حفیظ۔ بہاول پور، کتاب: آگہی)

مراقبے کے ذریعے انسان عالمِ ظاہر کی طرح عالمِ باطن کی دنیا سے روشناس ہوتا ہے۔ جب سالک غیب کی دنیا میں داخل ہوجاتا ہے تو جس طرح وہ عالمِ ناسوت یا اِس دنیا میں زندگی گزارتا ہے اور زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اسی طرح وہ غیب کی دنیا میں نظامِ شمسی اور بے شمار افلاک کو دیکھتا ہے۔ فرشتوں سے متعارف ہوتا ہے۔ اس کے سامنے وہ تمام حقائق آجاتے ہیں جن حقائق پر یہ کائنات تخلیق ہوئی ہے۔ (ذوالفقار عبدالغفار۔ راولپنڈی، کتاب: کشکول)

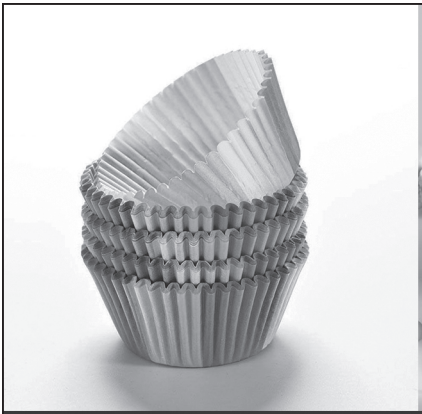

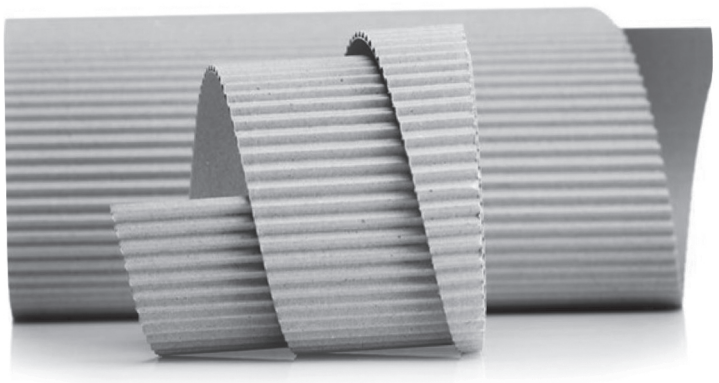

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

خواب تعبیر اور مشورہ

ادارہ ”ماہنامہ قلندر شعور“ ماضی کے ان خوابوں کو دوبارہ شائع کر رہا ہے جن کی تعبیر میں محترم عظیمی صاحبؒ نے علمی توجیہ و تشریح بیان فرمائی اور مستقبل کی پیش گوئی کی۔

سرخ گلاب

(شاہین): میں نے خواب میں دیکھا کہ اپنے مکان کے باہر باغیچے میں ٹہل رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں ایک جگہ بیٹھ جاتا ہوں۔ بیٹھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں نے کسی نرم شے سے ٹیک لگائی ہے۔ گھوم کر دیکھا تو وہ سرخ گلاب کے پھولوں کا ایک پودا تھا جس پر پھول لگے ہوئے تھے۔ میں نے بائیں ہاتھ سے ایک پھول توڑا اور بن دیکھے مسل دیا اور جب میں نے پھول کی پنکھڑیوں کو پھینکا تو ان سے دو پھول بن گئے۔

تعبیر: اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ جو کام آپ نے رضا کارانہ طور پر اپنے ذمے لیا ہے، وہ بہت بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس خدمت کا دنیاوی معاوضہ بھی دیں گے۔

تجزیہ: باغ میں موجود ہونا آپ کا وہ پاکیزہ جذبہ ہے جس کا تذکرہ تعبیر میں آ گیا ہے۔ پھول خدمت ہے — پھول کا مسل کر پھینک دینا اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے ذہن میں اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔ آپ یہ کام خالصتاً اللہ کے لئے انجام دے رہے ہیں۔ ایک پھول کے دو پھول بن جانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا دونوں میں اجر دیں گے۔

ماموں قبر کھدواتے ہیں

(اُمِّ بتول): میں نے خواب دیکھا کہ ہمارے آبائی قبرستان میں چند آدمی قبریں کھود رہے ہیں۔ ایک قبر کے پاس سگے ماموں کھڑے ہیں۔ اس قبر سے دس قدم کے فاصلے پر میں کھڑی ہوں۔ میرے ذہن میں یہ بات ہے کہ

یہ قبر میرے لئے کھودی جارہی ہے۔ اس وحشت سے کہ یہ قبر میرے لئے ہے اور مجھے اس میں دفن کیا جائے گا، میری آنکھ کھل گئی۔

ایک ہفتے بعد دوبارہ خواب میں دیکھا کہ پاکستان میں والدہ کے گھر کا ایک کمرا ہے۔ اس کمرے میں چند آدمی قبر کھود رہے ہیں۔ معلوم کرنے پر بتایا گیا کہ یہ قبرستان والے کھود رہے ہیں۔ کھودنے والوں کے پاس میرے ماموں کی شادی شدہ لڑکی جس کی عمر 25 سال ہے، کھڑی ہے۔ مکان کے صحن میں میرے ماموں، ان کے اہل و عیال اور خود میں کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ ماموں کی لڑکی میری طرف اشارہ کر کے گورکن سے کہتی ہے کہ اس کو نہیں بتانا کہ یہ قبر اس کی ہے ورنہ یہ ڈر جائے گی۔ میں یہ بات سن کر ایک دم خوفزدہ ہوگئی اور اس خوف سے میری آنکھ کھل گئی۔

جب سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے، میری پریشانی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ دن میں کئی بار یہ خواب مجھے یاد آتا ہے اور میرے اوپر خوف و دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

مہربانی فرما کر میرے خواب کی تعبیر اور تفصیلی تجزیہ تحریر کریں۔ میں نے خود اس خواب کی تعبیر یہ سوچی کہ چوں کہ ہم پاکستان میں اپنے لئے زمین یا مکان خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں اپنی قبر کھودتے دیکھنے سے مراد مکان کا بندوبست ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ اس خواب میں میرے والدین، بہن بھائیوں، شوہر یا بچوں کے بارے میں کوئی اشارہ ہے۔

تعبیر: کافی عرصے سے کوئی نسوانی بیماری اندرونی طور پر پرورش پا رہی ہے۔ آپ کو یہ بیماری والدہ صاحبہ سے ورثے میں ملی ہے۔ امکان ہے کہ آئندہ ولادت پر نامناسب اثر پڑے۔ فوری طور پر بیماری کے اثرات سے محفوظ اور ازالے کی کوشش ضروری ہے۔

دونوں خوابوں کے اندر یہی علامتیں ہیں۔

اللہ بہتری کی صورت پیدا کرے۔

تجزیہ: خواب میں اپنی قبر کھودتے دیکھنے میں بیماری کی علامتیں پوشیدہ ہیں۔ اپنی قبر کھودتے دیکھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ خواب دیکھنے والا خود بیمار ہے۔ قبر نامکمل دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیماری اندرونی طور پر پرورش پا رہی ہے۔

والدہ کے کمرے میں قبر دیکھنا اس بات کی

نشاندہی ہے کہ یہ بیماری خواب دیکھنے والے کی والدہ میں بھی موجود ہے۔ گھر کے صحن میں قریبی رشتہ داروں کا آپس میں گفتگو کرنا یہ بتاتا ہے کہ یہ بیماری خواب دیکھنے والے کی والدہ سے پہلے بھی کسی کو تھی۔ دونوں خوابوں میں ننھیالی رشتہ داروں کا دیکھنا بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔

آسمان سے دودھیا روشنی

(کورنگی): آسمان میں بالشت بھر سوراخ ہوا اور دودھیا روشنی نکل کر میرے اوپر پڑنے لگی۔ شروع میں ڈر لگا پھر احساس ہوا کہ یہ تو تجلّی ہے۔

تعبیر: الحمدللہ، نہایت مبارک خواب ہے۔ آپ نے خواب میں اللہ کا نور دیکھا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ درود شریف کی فضیلت اتنی ہے کہ اللہ اور ملائکہ، رسول اللہؐ پر درود بھیجتے ہیں۔

آپ اپنے معمولات کو جاری رکھئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ آپ کو روحانی بالیدگی عطا فرمائے، آمین۔

چار سو پچاس روپے

(عبدالستار): میں اپنے ماموں صاحب کے ساتھ شہر کی طرف مکان خریدنے جارہا ہوں۔ تھوڑی دور جا کر نظر آتا ہے کہ ہمیں جس راستے سے گزر کر جانا ہے، وہ پانی سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے اپنے ماموں سے کہا کہ راستہ پانی سے بھرا ہوا ہے، ہم کیسے جائیں گے؟

ماموں نے کہا، گھبراؤ نہیں، میری انگلی پکڑلو اور میرے ساتھ ساتھ چلتے رہو۔ تھوڑی دور جاکر میں نے ماموں سے کہا، ”آگے پانی اور گہرا ہے۔“ انہوں نے کہا، دیکھا جائے گا۔

چلتے چلتے ہم آخری حصے پر پہنچ گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ جو پانی گہرا نظر آرہا تھا، وہ زیادہ گہرا نہیں تھا اور اس قدر صاف و شفاف تھا کہ تہ نظر آرہی تھی۔ پھر ہم دونوں مکان والے کے پاس گئے اور مکان خریدنے کی بات کی اور 450 روپے میں سودا ہوگیا پھر ہم سب ایک جگہ چائے پینے کے لئے بیٹھ گئے اور چائے آنے سے پہلے میری آنکھ کھل گئی۔ 450 روپے مکان کی قیمت بھی ادا نہیں کی۔

تعبیر: جب انسان کو مشکلات پیش آتی ہیں تو قدرت کسی نہ کسی طرح سے اس کی راہنمائی کرتی ہے۔ قدرت کی راہنمائی کا ایک طریقہ خواب بھی ہے۔ راہنمائی کا فائدہ نہ اٹھانے کے لئے

جو چیز حائل ہوتی ہے، وہ انسان کی تنگ نظری ہے۔ تنگ نظری کی وجہ سے انسان قدرت کے اشاروں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں آپ کا خواب بھی قدرت کی طرف سے ایک راہنمائی ہے۔

مطلب بہت واضح ہے کہ آپ کسی دوسرے شخص پر اپنی کوتاہیوں کی ذمہ داری ڈالنا چاہتے ہیں۔ فی الواقع آپ کو اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کرنی چاہئے۔ آپ کے معاملات میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، وہ اسی وجہ سے ہیں۔ عمل کی اس روش کو بدلنے کے بعد آپ بہت سے معاملات کو آسانی سے سلجھا سکتے ہیں۔

اس خواب سے یہ بھی واضح ہے کہ معاملات سلجھ جاتے ہیں اور پھر الجھ جاتے ہیں۔ وجہ اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ اپنی منزل کی طرف پہنچنے والے تھے کہ اس میں اچانک رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ (450 روپے کا مطلب بھی یہی ہے۔) اس قسم کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے آپ کو ذاتی طور پر جدوجہد کرنی چاہئے۔

ابدالِ حق فرماتے ہیں،

”یہ انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے کہ اس نے محسوسیت کو میڈیم بنا رکھا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے استعمال کرے اور جتنا زیادہ چاہے، استعمال کرے البتہ یہ بہت بڑا ستم ہے کہ وہ اس ہی پر اپنی ذات کو منحصر کر دے۔ ذات جب محسوسیت پر منحصر کر دی جاتی ہے تو ذات بالکل معطل ہو جاتی ہے اور انسان محسوسیت کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ اب محسوسیت کھلونے کو توڑ دے یا محفوظ رکھے، یہ اس کی مرضی ہے۔ فی الواقع غلامی کو ساری دنیا برا سمجھتی ہے لیکن تمام نوعِ انسانی نے محسوسیت کی غلامی کا طوق فخریہ اپنے گلے میں پہن رکھا ہے۔ خواب اور خیال سے فائدہ نہ اٹھانے کا اصل سبب یہی ہے۔ خواب ورائے محسوسیت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اسے محسوسیت ناپسند کرتی ہے اور جب یہ انسانی زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح بیداری کا عمل دخل ہوتا ہے تو محسوسیت ہر طرح کی رکاوٹ ڈالنے لگتی ہے اور ہر دروازے میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے تاکہ ورائے محسوسیت عملی زندگی میں داخل نہ ہو سکے۔“

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمیؒ

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

v

ly burdened. This is not conducive to healthy development. The tone and style of storytelling should be cheerful, engaging, and easy to understand. Simplicity in language allows children to connect deeply with the narrative, while a lively and warm delivery keeps their interest alive.

A good story captures attention, whilst also carrying meaningful messages rooted in real values. You can observe that when a child reads a story with conflict they will process in silence, holding their breath. The moment the story reaches a happy ending or satisfying conclusion, they let out their breath and sigh in relief, suddenly feeling comforted. This emotional arc helps them process complex feelings in a safe and constructive way.

Including a slight element of sadness in a story can actually be valuable. It helps nurture empathy, compassion, and emotional awareness. However, stories with entirely tragic endings should be avoided, as they push children into developing an unnecessary attachment to grief and negativity. Over time, repeated exposure to such themes might make them more prone to melancholy thinking.

In contrast, stories about courage, patriotism, and the lives of inspiring real-life figures ignite a sense of joy and motivation. They awaken in children the desire to do something meaningful, to make a difference, and to grow into responsible, brave, and kind-hearted individuals. These are the stories that build character and hope.

Taking away the tradition of storytelling is like taking away a child's childhood. Through stories, children learn to dream, to feel, and to imagine. So, read good stories and share meaningful events. In doing so, you return to children the gift of a joyful, imaginative, and hopeful childhood – one that prepares them not just to grow, but to thrive.

Parents

They looked down upon — still pale and blue,
Absolutely precious, you.
Eyes proud, arms a cradle,
They've waited long — crying, but stable.
They held your little hand,
Taught you to be strong, to stand.
Still gave you a hug when you scraped your knee,
They wanted to give you the best they could.
Supporting you through hurdles,
Just to fill your life with sparkles.
Celebrating you, no matter what came,
They cheered for every lost and won game.
They sat beside you, hearts wide open —
They were there, and still are, unspoken.

— *Chaitali Prabhu*

easily capture a child's imagination, they do not reflect the realities of everyday life. To help children develop creativity and a grounded understanding of the world around them, stories must balance fantasy with reality.

The influence of these stories on young minds can be quite profound. For example, when my nephew learned that a spacecraft had gone into space, he innocently asked if it had seen the land of fairies along the way. This simple, heartfelt question reveals just how deeply children absorb the stories they hear and how they blend fantasy with their understanding of the real world. It serves as a gentle reminder of the responsibility we have in choosing the kinds of stories we share with them.

With this in mind, it becomes increasingly important in today's world to present stories that highlight the lives of real personalities, such as the Prophets (PBUT), saints, great scholars, and influential figures from history. These stories offer not only inspiration but also a strong connection to reality. By sharing such meaningful and impactful narratives, we can help children shift their admiration from fictional heroes like Spiderman, Batman, and Superman, to real-life role models. This allows them to recognise and appreciate true greatness and to envision values and virtues in concrete, relatable ways.

Young boys are often drawn to adventurous stories and listen to them with great enthusiasm. Some children become so inspired by these tales that they make instant decisions about their future. I once told my nephew the story of a famous pilot and how he dove his aircraft skilfully, then levelled it out and soared high into the skies until he disappeared from sight, only to reappear moments later. I described how passionate this pilot was about participating in rescue missions, and how we was always ready to help people affected by sudden disasters. My nephew's face lit up with excitement. He ran straight to his mother and exclaimed, "Mum! I want to become a pilot too!" Since that day, he has remained firm in his resolve to grow up to become a pilot.

This simple moment illustrates the power of stories to shape a child's dreams and identity. That's why it's so important to share stories with children that leave a positive and uplifting impact. Stories filled with hope, bravery, kindness, and purpose not only entertain but also inspire children to see the best in themselves and the world around them.

In contrast, stories that revolve around escapism, despair, fear, hopelessness, or that end in tragedy should be approached with caution. While such tales are gripping, they can also leave children feeling discouraged or emotional-

acter of the storyteller. We are role models for our children. In many ways, children are simply a reflection of us. If a gentle and kind moral message is shared with a child through a story, it leaves a lasting impression on their mind.

This is why storytelling plays such a powerful – though often subtle – role in shaping a child's character. Beyond entertainment, stories serve as a means of conveying values and guiding young minds. Through them, children can learn the importance of kindness, honesty, and respect, and come to appreciate the dignity of different professions.

For instance, imagine a mother telling her child the story of a doctor who is compassionate and dedicated, and who helps the poor and serves with sincerity. Without even realising it, the child will associate these qualities with the medical profession and aspire to embody them.

Or consider a story of an honest and hardworking engineer who joins labourers in building a bridge over a river to connect a remote area to the city. If a child hears this and is moved by the tale, they are likely to see hard work, commitment, and integrity as essential qualities in any profession. In this way, stories quietly but effectively instil values and shape a child's understanding of the world.

What kind of stories should we tell? This is a question many parents and educators often ask. With their natural curiosity, children frequently inquire at the end of a story, "Was that a true story?" They sometimes feel a sense of disappointment upon learning that their favourite characters were imaginary. After hearing tales of fairies and giants, children tend to drift into a world of fantasy.

Fairy tales, while wonderful for stimulating imagination, are often far removed from reality. They transport young minds to mysterious realms, which can be both enchanting and confusing. One cannot help but wonder what inspired the very first person to imagine a fairy. What is it that they saw or felt that led them to give it that name?

Over time, writers have woven poems and stories about fairies into the fabric of childhood, adding to their charm. Consider this whimsical verse, translated from Urdu for English readers:

Grandma says,

Fairies live upon the moon,

They come down quietly, late and soon,

They spread their wings and glide through air,

With silver sparkles everywhere.

"Tonight, I won't sleep," I say,

"I'll wait for the fairies from the Milky Way."

Though such stories create a colourful and magical world, and

ani, koftas, naan, and gulab jamun!"

I turned to my youngest niece and asked, "What do you think was inside?"

She replied in her soft, hesitant, and lisping voice, "He saw fairies dancing inside."

Her brother smiled and added, "When the man peeked inside, he saw nothing, because the place was deserted and abandoned."

Just then, the eldest niece surprised everyone by interrupting, "Then who lit up the house? Someone must be living there, right? After all, someone must have built that house."

Shaking her head disapprovingly, one of the children gently reminded everyone, "It is simply not right to peek into someone's house like that."

Each child's answer reflected the power of their imagination. They had completely forgotten that they were sitting comfortably at home, wrapped in warm blankets on their beds. In their minds, they were no longer in the room. They had followed my words to that lonely place far from the village, standing outside the mysterious house in the stillness of the night, all trying to discover just who lived inside.

When listening to a story, children use their imaginations to see it. Every scene described is visualised and every character is walked alongside. If a character ventures into a forest, so too do they. If a green valley is the setting of the scene, then they feel and enjoy the greenery around them. Unlike adults, who must rationalise and view anything through the biased lens of their life experiences, children have very few experiences to draw from, and as a result, will pause at every sentence to question the story. "How did this happen?" "Why did this happen?" This process of questioning further nurtures and fuels their curiosity and imagination. It is not a stretch to say that it is precisely through the act of listening to and reading stories, that a child's imagination flourishes in earnest. Their sense of wonder that prompts them to ask more, can only truly be satisfied through the immersive medium of storytelling.

The nature of the story read is what will determine the lesson a child received from it. We are often too busy to pay close attention to the material our children consume and hence have no real idea on the impact it has on their minds or how it contributes to their character development. In short, storytelling serves the purpose of nurturing and educating children.

Parents should stay informed on their child's mental and emotional development. One of the most important things to remember is that children are deeply influenced by the personality and char-

i

Beyond Fairies and Superheroes

Through stories, children learn to dream, to feel, and to imagine. So, read good stories and share meaningful events. In doing so, you return to children the gift of a joyful, imaginative, and hopeful childhood – one that prepares them not just to grow, but to thrive.

To children, storytelling may now seem like a thing of the past, but there was a time when, as night fell, children gathered around their elders and eagerly requested stories. The elders strategically told these stories in episodes so that the children spent the next day in anticipation of what came next.

But as times change, so too do traditions. Perhaps with the invention of the television, or the internet, elders feel that their stories no longer have a place. Reading as a practice has severely declined, and it is found that homes in which adults do not read rarely develop children with the passion for reading. However, despite the innovations of this era, storytelling is still undeniably important, with invaluable benefits.

On a particular night, I lay down to sleep beneath a canvas of stars. The children gathered around me and pleaded for a story. Though I was not in any mood to tell a story, their insistence grew to the point hat it was impossible to refuse. So, I addressed them all and said, "Listen, children! One night, a man passed through a deserted area far from his village in the dark of the night. The moon hid behind the clouds, and the stars almost seemed to be in search of it. From a distance, the man spotted a house with a faint light seeping out through its closed door. He walked towards it, peeking inside the crack of the door."

At that point, I paused and said, "Now, children…Tell me… What do you think he saw inside?"

The children listened to the story with deep interest and focus. They fell into a thoughtful silence and no one offered an answer. I turned to my eldest niece and asked, "What do you think he saw inside?"

After a brief moment of thought, she replied, "The man saw an elderly, radiant-looking figure with a white beard, sitting on a prayer mat laid across a low wooden platform. The elderly man quietly recited prayers on a *tasbeeh* (prayer beads), his face calm and peaceful. Oil lamps lit up the room with a soft glow."

As soon as she finished, I looked over at her younger brother – he was known in the family for his love of food – who seemed eager to speak.

He blurted out, "No, Auntie! The man saw that a feast took place inside the house. Guests were enjoying roast chicken, biry-

Watts into it.

She then metaphorically visualised the zone of a spiritual master's consciousness as a room in a library that a seeker is granted access to. The library room one enters, gives access to only those books that are in that room. If one wanted to access the other rooms of the library, the seeker would have to read, understand, implement, and act on the knowledge they had been currently granted access to. Most importantly, one has to demonstrate spiritual integrity that they can handle the huge responsibility that comes along with the immense power that the revelation of wisdom brings with it. Once the custodian of knowledge feels the wisdom seekers have done justice to what has been already extended to them, they offer seekers access to other rooms too. Eventually, a chosen few, will be granted admittance to some of the most sacred rooms with extremely limited access. "Such chosen ones have gone on to be friends of God, like our *murshid*," said the inner voice.

"If a seeker was granted access to the entire library of wisdom right away, they would never pay attention to the process of acquiring it. They would wander around mesmerised and overwhelmed by the vastness of knowledge all around them and not be able to distinguish between knowledge and true wisdom. Much like the example of Hazrat Shams Tabrezi (RA) and Maulana Rumi (RA). While Maulana Rumi (RA) was the master of knowledge and roamed the world, mesmerised to gather it, Master Shams (RA) threw all his books into water and then returned them to him dry, demonstrating that one can wander and acquire knowledge, but wisdom requires a master who will steadily and slowly infuse it into a student," the voice continued.

"Why are we asked to do *Tasawwur-e-Sheikh*?" She pondered. She remembered the words of her *murshid*, "When you focus on something intensely, it reveals itself to you." The heart reminded her, "To be able to be like one's master, one has to focus on their energies. Eventually when the absorption becomes stronger and focused and is not adulterated by anything else, the *mureed* becomes the splitting image of the *murshid*."

"What are the distractions that she had to work on avoiding?" She asked. The heart pointed in the direction of a few things in the room and replied, "If you place your attachment and expectations on material things and make them the focus of your life, you have deviated your focus from reality. Anything that deviates our focus from reality, is distraction. Light is denser than *Noor*. We must strive to live untouched by the lights of the material world and aim to ascend and live in the transcendental realms of higher consciousness. *Tasawwur-e-Sheikh* is a daily practice of ascending into the realm beyond the physical world."

spec of light in the ocean of light.

❁ ❁ ❁

She enjoyed her daily drowning and resurfacing in the ocean of love. Some days she came back so charged after meditation that she could not sleep. She would stare at a point on the ceiling and contemplate, "What are these vibrations? Why did my physical body have to be left behind through the meditation?" She felt that her *nafs* (sense of self) was feebly screaming out to her, wanting to tag along during her meditations. It wanted to be in charge of her inward journey too. An image flashed for a fraction of a second inside her. It was a memory of her in her physical body entering the room where her spiritual master resided.

She realised that meditation was also a visitation, permitted by the *murshid* himself when she had pledged her allegiance. However, through meditation, instead of her physical body, her energetic spirit merged with the radiant atmosphere surrounding her *murshid*. Wanting to feel the blessed atmosphere once more, she turned a deaf ear to the external noises, ignored the periodical twitching in her body, and focused inwards.

She felt the vibrations increase in intensity. During meditation, she sensed the fading of all geographical distance between them but at the same time, a question echoed within – where was this distance, truly? Was it merely an illusion?

"He is putting a cover of light over you, and with that he slowly downloads his pattern of thinking and consciousness into you." She heard a voice within her that was loud and clear. "He takes us on a journey into the higher consciousness," said the voice again. "Through *Tasawwur-e-Sheikh*, a *mureed* (spiritual student) is given the privilege of diving deep into the higher consciousness, as much as their *murshid* wants them to. Their *murshid* lets them seek treasures that are beyond their comprehension. Each seeker is then granted access to the level of wisdom that is embedded in these treasures to the extent that aligns to their capacity to accept, understand, and imbibe." The voice reminded her how the ocean of wisdom inside her *murshid* threw gentle waves at her that were directly proportionate to her capacity to embrace them. "I declare the poverty in my thinking, when I stand before the ocean with a spoon to quench my thirst. Even when the ocean of wisdom is ready to pour its vast self into me and leave me fulfilled," she sighed.

Her mind compared her state to a bulb. She looked up to see the bulb in her room. It was rather dim in comparison to the bulbs that glowed in the living room. Even though both bulbs were connected to an unlimited supply of electricity, they lit up according to their respective capacities in Watts. The bulb in her room could only emit a 40-Watt intensity of light due to its capacity, even though the electric cables it was attached to could pour 1000s of

i

The Inner Voyage

"When you focus on something intensely, it reveals itself to you."

She wondered on the significance of focusing on one's *Sheikh* (Spiritual Master) through the meditation of *Tasawwur-e-Sheikh*. She closed her eyes and focused on her spiritual master. Initially, a faint image of him in his physical body appeared on the screen of her mind. Her eyes scanned his radiant smile, and her ears replayed the familiar "*Assalam-o-alaikum*" he said each time she went to see him, and he welcomed her. The fragrance of oud and roses surrounded her, and she took a deep dive into states of tranquility. Letting out a slow exhale, she observed how each of her senses were trying to find a point of focus in the memories of her master, stored in her subconsciousness.

This initial display, seemed to her like a grand closing ceremony of her physical senses before they retreated back stage, allowing her inner senses to come to the forefront. Slowly the curtains dropped on the reels of the past. The carefully woven favourite scenes with her master disappeared. Intensifying her focus, she found herself in a field of vibrations that pulsated around her and soothed her. It was a feeling of being in the arms of a parent who rocked her gently to the rhythm of love. In that instance, her heart lit up with the realisation that it was not the sound of the lullaby that puts a baby to sleep, rather, it is the vibrations of love that the mother emits that infuses into the distressed baby and soothes it. The tranquil vibrations in a mother dominate the stormy waves in a child and calms them down.

She felt she had entered a safe space, away from all the maddening chaos of the physical world. This point of entry felt like the point at which the stream met the river, the river met the sea, the sea met the ocean, the ocean met the sky, the sky met the heavens, the heavens met the *Arsh* (Divine throne), and the *Arsh* felt the proximity of the Lord. In that instant, her *murshid's* energy became the gateway to God.

In one moment, her consciousness believed it knew who she was, but in the very next moment, as she became absorbed in the presence of her *murshid*, what she knew of herself, dissolved. A vast emptiness stared at her. The pulsating vibrations had truncated the remainder of her association with her physical body. Her body, her medium of expression seemed to be somewhere far-far-away in another realm. She had to admit, she knew nothing… She was nothing… The keys to all answers were in the hands of God, and He had appointed His friend, to guide her and others to Him. All that remained was pulsating vibrations, she sat on until she was all but a

This same pattern of distance shapes how we perceive the physical world. Any creation in this world is acknowledged only as long as it contains the soul. Take wood, for example. It is something we often consider lifeless. Yet it exhibits movement. A door made from wood swells during the rainy season by absorbing moisture from the air, making it difficult to close. When the weather stabilises or winter arrives, the wood releases the moisture and returns to its original form. If wood were truly lifeless, how could it absorb moisture, only to release it to regain its former state? The reason we see it as lifeless is because we perceive it as separate from its origin.

Elders often say, "Even walls have ears. They listen and even speak." This saying hints at a deeper truth. If walls were truly lifeless, could they possess ears? Could the act of hearing occur in something that has no life?

Spirituality teaches servitude. God Almighty says:

"And I have not created the jinn and the men except that they should serve Me." (Quran: 51:56)

Servitude means recognising that God has created both us and all the means through which we live. It is only true servitude when, the thought of God naturally comes to our mind before benefiting from any of these means. This reflects a mindset rooted in awareness that everything is from God. When this awareness becomes firmly established, one's gaze is protected from illusion and deception. As a result, one no longer identifies solely with the clay body or corpse, but begins to see it as a reflection of a deeper, eternal reality. Those deeply rooted in knowledge say:

"We believe in it; it is all from our Lord." (Quran 3:7)

Spirituality firmly establishes the values of obedience. The mindset a person adopts gradually shapes their inner self, leaving a lasting imprint of what they follow. When that mindset aligns with the Divine will, the individual embodies the moral and spiritual values taught by God, He, who is infinite, and whose attributes are beyond limit. When God wills something to exist, He simply commands it, and it comes into being.

In Paradise, as long as mankind remained obedient to the command of the Lord, they were connected with the soul and lived in peace and security. The infinite expanse of Paradise was made subject to him. However, disobedience disrupted this harmony and gave rise to satanic traits. These traits marked by doubt, uncertainty, anger, and limitation took hold, severing the clarity and connection they once enjoyed.

Spirituality teaches us that when one obeys the command of the Creator of the universe, their mind becomes aware of the soul and their thoughts align with it.

dominates mankind on Earth.

On Earth, humans perceive everything as distinct and separate. Yet they fail to realise that they view each thing separate from its origin, leading to the perception of change in every form. For instance, a child is born but birth becomes a subject of consideration only when the soul is present within the body. The child then progresses through the first day of life, the second, the third, and beyond. Childhood passes, adolescence emerges, and as adolescence fades, youth arrives. Youth eventually gives way to old age, and even old age disappears. The child's first day and the stage of old age were both meaningful only because of the presence of the soul. When the soul disconnects from the body, the body is referred to as a corpse.

It is important to think: if we acknowledge that the soul is the force behind movement, why do we not recognise the body as a corpse even with the soul present? Consider the example of a doll. A doll moves and speaks only when wound with a key. When the winding stops, the doll becomes still and silent. Do we consider that movement to be the doll's own? Clearly, the doll remains an inanimate object; a dead body or a corpse. Then why is the physical form we refer to as childhood, adolescence, youth, and old age not also considered a corpse, even when kept in motion by the soul?

The stages of age pass over this body made of clay, not over the soul. The soul returns in the same state in which it was first breathed into the body. All change is reflected on the physical form, not on the soul. Since we descended from Paradise to Earth due to disobedience, that very disobedience awakened a way of seeing that perceives things as separate from their origin. Thus, when we see the body in motion, we forget to think of the soul. When that motion ceases, we say the soul has separated from the body. This habit of seeing things apart from their essence also causes us to overlook the connection between the phases of life. For example, when youth arrives, we say childhood has passed, but where did this childhood go? In truth, youth stands upon the foundation of childhood, just as old age is built upon the pillars of youth.

To see a thing while ignoring its origin is to experience distance. A tree stands rooted in the earth. Mountains, flowers, and plants all grow from the ground, yet when we observe them, our mind rarely turns to the earth. This is a sign of being disconnected from the source. God is the Creator of everything that exists in this universe but when we see these creations, does the thought of God come to us first? To observe creations and use resources without first remembering the Creator reflects a way of thinking that is distant from the origin.

those who believe and do good deeds, that they shall have gardens in which rivers flow; whenever they shall be given a portion of the fruit thereof, they shall say: This is what was given to us before; and they shall be given the like of it, and they shall have pure mates in them, and in them, they shall abide." (Quran, 2:25)

For those who reflect, this verse holds profound secrets.

What is the soul? The Creator of the universe, God Almighty, said to the Seal of the Prophets – Prophet Muhammad (PBUH):

"And they ask you about the soul. Say: The soul is one of the commands of my Lord, and you are not given aught of knowledge but a little." (Quran, 17:85)

The Command of the Lord is that when God intends to bring something into existence, He simply says "Be", and it becomes. This Divine Command, *Kun fayakun* ("Be, and it is"), encompasses the universe, which itself is a manifestation of the knowledge of the soul. On this line of thought, if spirituality is to be connected with the soul, and if the soul is the very cause of motion and life in both the seen and unseen realms, then is not our very birth and aliveness already a union with the soul?

The answer is simply this: the body is connected to the soul, but the mind (thought, awareness, or consciousness) remains distant from it. Because of this distance, everything appears separate from its origin. Even thought itself is in motion because of the soul, but we remain unaware of this connection. This state of ignorance or unawareness is distance.

What causes this distance?

In Paradise, mankind's way of thinking was rooted in the obedience of God. As a result, the vast expanse of Paradise was at their command. They were told, "Eat freely from wherever you wish, but do not go near this tree, lest you become one of the wrongdoers." The words "from wherever you wish" points toward an unlimited space and freedom.

However, the garment of the soul in this world, which we refer to as *aadmi*, is by nature, limited. Thus, when we disobeyed the Divine command, the inherent traits of *aadmi* within us took over. Before this disobedience, we travelled by the will of God and our desires would appear before us instantly, but when we exercised our will against the command of God, we could no longer keep our focus fixed on the Divine will. As a result, our mind shifted from one colour (perspective) to another, shattering certainty, and we lost the ability to determine the true nature of what we perceive. This act of disobedience created a distance, causing us to see, hear, and understand everything as separate from its origin. This very pattern of thinking of seeing things as detached from their source, now

i

A Vision Unclouded by Illusion

This article is authored by a student of the class 'Nazriya Rang-o-Noor', taught by the venerable Sufi scholar Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi (RA). The class began in Karachi in 2009 and has continued under his esteemed guidance for over fifteen years.

The subject of spiritual sciences is as vast as the universe, yet as concise as the universe itself. It refers to the knowledge and practices that connect a person with their soul. When explored in depth, it encompasses everything from the beginning of time to eternity, bringing the entire cosmos into discussion.

Spiritual sciences look at the journey of the soul. This is a journey that extends beyond the physical realm into countless realms of existence. In every realm, it is impossible to speak of anything without the soul. This reflection gives rise to a realisation: when death occurs and the soul transitions to another world, the memory of the deceased does not vanish with it. We know of occurrences where the departed appear in dreams, informing us of their new dwellings and way of life in an unknown realm. We say, "They have died," and mourn their absence, which is strange as they continue to visit us in dreams with news of their continued existence. They tell us, "I am alive." If those who leave this world are living in some unknown realm much like we live here, then what is death? And who is it that has actually departed this world?

Death befalls the one who is buried in the earth. Notably, after a period, no trace remains in the grave except a handful of soil. The revered *Abdal-e-Haq* Qalandar Baba Auliya (RA), states this truth in one of his quatrains, translated as follows:

This soil too has many tales to share,
Many nights have passed just in its whispers there.

These very grains of dust were once human souls,

Some were Sheikhs, some Brahmins, playing worldly roles.

The one we considered a friend or relative was, in reality, just a garment made of clay. The true being, or the soul, is what gave that garment life and movement, yet we remain unaware of its presence. When the soul departs to the next world, it takes on a new garment. The features of this new garment resemble the attire of this world, and this is precisely why we can still recognise our loved ones when they appear to us in dreams. In the Holy Quran, God Almighty explains even the smallest and the greatest matters with clarity, and has made them understandable through examples.

"And convey good news to

V

truth: God is One, and all creations depend on Him. Creation does not come into existence by its own will. If it did, then every person would choose to be born into a royal family, and no one would be born into poverty. God desires goodness for His creation. Just as a father wishes for his children to live happily and avoid conflict, all Prophets (PBUT) advised people not to fight amongst themselves. Yet despite this guidance, mankind often fails to live with love and harmony toward one another. Why is that?

Our understanding of humans is primarily that of a physical body, but we also observe that when one dies, though the physical body remains unchanged, the person is no longer alive. The eyes, hands and feet are still there, but there is no movement or life in them. This clearly shows that there is an unseen force or agency that operates the physical body, and that agency is the soul. If a person, or even all people, were to die, no one would be able to speak or act. Why? Because the soul has left the body. A dead person cannot get married. No dead person has ever given birth to a child. A dead person does not eat food. Have you ever seen a dead person eat bread? This illustrates that mankind falls into chaos and confusion when they believe the physical body is everything. The truth to understand is that the physical body is subject to the soul.

Humans experience life in two states: one during wakefulness, and the other in dreams. When one dreams, it feels as though someone from within emerges. This inner self walks, moves around, and reacts. If something hurts, it feels pain; if it meets a friend, it feels happiness. This shows us that a human can experience emotions and happiness even beyond the physical body. This inner presence is what we call the soul.

When we leave this world, it is our soul that departs from the body. To become familiar with the soul, Sufi masters have taught the practice of *Muraqaba* (meditation). *Muraqaba* involves closing the eyes and turning one's focus inward to look deeply into the inner self. It is a disciplined practice aimed at connecting with the soul.

study their teachings, we find they all conveyed the same message.

• • ——————————— • •

The first thing to note that God is our Creator. He provides us with food and drink throughout our lives. For example, when a baby is in a mother's womb, it receives nourishment for nine months without ever asking for it. After birth, the baby is fed by the mother's milk for about two and a quarter years. Until the age of sixteen, a child does not work or earn a living, yet their parents continue to provide care, food, and support. By this age, they are sensible enough to realise that even when they did not work, God still provided them with sustenance. In fact, the basic necessities for survival are given to us completely free. We do not pay for the air we breathe or the water we drink. While governments impose taxes on services, God never charges us for His blessings. Take oxygen for instance; no one can survive without it. If you had to buy oxygen in a cylinder for just one day, would it not cost a lot? Yet God provides it abundantly. It is outside in the open air, in gardens, inside our homes, and everywhere. Whether we are asleep or awake, aware or unaware, God continues to give without asking for anything in return.

God is the one who sends down rain. While science has advanced greatly through research and discovery, it still cannot cause rain to fall on its own. Science has made remarkable progress, yet it cannot create something as essential as air. It cannot produce a human heart. Yes, science can perform heart surgeries, but it cannot make a heart from nothing. In the same way, despite all its advancements, science cannot create a brain. These limitations remind us of the difference between human capability and Divine power.

When we reflect on the relationship between God and His creation, it becomes clear: God's love for His creation is like the love of a mother for her child. Just as a mother protects, nourishes, and comforts her child, God lovingly cares for and protects His servants in every moment of their lives.

• • ——————————— • •

When we look at the teachings of Prophet Moses (PBUH), Prophet Jesus (PBUH), and the Seal of the Prophets – Prophet Muhammad (PBUH), we find that they all share the same fundamental message: God is One, and the creations are many. The Divine Books – the Bible, the Torah, the Psalms, and the Noble Quran – all affirm this

Whenever Eve (PBUH) gave birth, she had twins; one boy and one girl. Marriages were arranged so that the girls born later would marry the boys born earlier. However, a dispute arose between two brothers. One brother said that he wanted to marry the sister that he was born alongside instead of one from another pair. When his wishes were not fulfilled, he killed his brother.

This led to the formation of two groups in mankind. One that caused conflict and bloodshed, and another that lived in peace. This ongoing struggle between peace and disorder has continued since the time of Adam (PBUH). The group that caused disorder descended from the brother who committed murder, while those who lived peacefully are the descendants of the brother that was killed.

• • ——————————— • •

As time passed, the descendants of Adam (PBUH) continued to multiply and spread across the world. Those born in colder climates developed fairer skin, while those born in hotter regions, had darker skin. Despite these physical differences, all descendants of Adam (PBUH) share the same fundamental human needs. Regardless of whether a person is dark-skinned or fair-skinned, they are all born from a mother. Whether someone is short or tall, they come from parents just the same. No fair-skinned person has the right to feel superior because of how they were born, and no dark-skinned person can claim superiority for the same reason.

After birth, every human is nourished by their mother's milk. No matter where children are born in the world, they are raised by their parents, who nurture them, guide them, and help shape them into better individuals. Chaos on earth began when people started believing that they were better than others or that others were lesser than them. This sense of superiority broke the harmony that once united all of humanity.

According to all divine books, the good live with compassion, love, and peace, and the bad are filled with hatred, anger, and rebellion. To help humanity understand that God loves those who are good, He sent nearly 124,000 prophets. All of them delivered the same message: showing mercy and love is a noble act.

Whether it's Prophet Abraham (PBUH), Prophet Noah (PBUH), Prophet David (PBUH), Prophet Solomon (PBUH), Prophet Isaac (PBUH), Prophet Joseph (PBUH), Prophet Moses (PBUH), Prophet Jesus (PBUH), or the final Prophet–Muhammad (PBUH), when we

share this knowledge with the angels. When Adam (PBUH) explained what he had been taught to the angels, they understood his wisdom, accepted his authority, and recognised his leadership.

• • ——————————— • •

Now Adam (PBUH) needed a place to live. God created a place for him in Paradise and told both Adam and Eve (PBUT) to live there happily and enjoy the bounties therein. However, God instructed them to stay clear of one tree in Paradise. God wanted to see how obedient and faithful Adam (PBUH) was. Despite the warning, Adam and Eve (PBUT) approached the forbidden tree.

Whilst Adam (PBUH) had not approached the tree, he was filled with an inner certainty because he had not done anything wrong. But as he eventually approached the tree, a troubling thought entered his mind that he had disobeyed God. As soon as this doubt arose, Adam (PBUH) feared that God was no longer pleased with him. Doubt replaced certainty, and due to this, God commanded Adam and Eve (PBUT) to descend from Paradise to the earth.

When Adam (PBUH) was in paradise, he lived in a beautifully vast and magnificent garden; like a mansion. The garden was filled with waterfalls, streams, abundant fruit trees and flowers whose colours shone like light. Beautiful birds soared in the air, and the atmosphere was peaceful.

A remarkable phenomenon within Paradise is that desires materialise instantly. Whenever Adam (PBUH) wanted to eat an apple, one would simply appear and fall into his hands; he did not have to go to a tree to pick it.

Paradise was full of joy and happiness, without any pain or suffering. However, when Adam (PBUH) came down to earth, he experienced hunger for the first time, and contrary to Paradise, the food was no longer readily available. At that time, Archangel Gabriel (PBUH) came to him and explained that the rules on earth were different. Bread was now earned through hard work and labour. He explained to Adam (PBUH) that food would no longer come to him as easily as it had in Paradise. Through God's mercy, Archangel Gabriel (PBUH) taught Adam (PBUH) how to cultivate the land and plant seeds that would eventually provide him sustenance.

• • ——————————— • •

Adam and Eve (PBUT) both lived on earth and had children.

i

Message of the Day

Murshid-e-Kareem, Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi (RA), delivered this speech to audiences globally twenty years ago, on Adam Day 2005.

In the name of God, the Most Gracious, the Most Merciful.

Peace and blessings be upon you all.

Ladies and gentlemen, and all those present – It is a matter of great joy for me that you have taken time out to be here. I warmly welcome each and every one of you.

This entire world is like a story. With over six billion* people living on this planet, there are more than six billion unique stories unfolding in every moment. Every individual is a story in themselves. They are born, they grow up, they age, and eventually, they leave this world. When a person is born, their story begins, and when they die, the curtain falls... the play comes to an end.

Before this world and the countless other worlds existed, God willed their creation. Once the universe was created, a system of order and administration was also established. To run this administration, certain individuals were chosen, and governance was put into place.

Whenever there is a government, there must also be staff or officials to run it. To fulfill this role in the universe, the Creator made the angels. With regards to the earth, God entrusted this responsibility to the jinn. However, when they were granted this authority, He commanded them not to spread chaos.

The jinn did not comply and caused great disorder. Blood was spilled everywhere, and immense suffering spread everywhere. They harmed one another until distress and turmoil became the norm. When the chaos reached a point where it was no longer bearable, God withdrew the authority from the jinn and entrusted it to Adam (PBUH).

God then informed the angels that Adam (PBUH) was now their ruler – a Prime Minister or vicegerent of the earth. The angels expressed concern and wondered if Adam (PBUH) would follow in the jinn's footsteps and also spread chaos. God taught Adam (PBUH) the knowledge of administration and management, and instructed him to

*By the year 2025, the global population has crossed 7.5 billion.

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	136
A Vision Unclouded by Illusion	A Disciple	131
The Inner Voyage	Bibi Anuradha (UAE)	127
Beyond Fairies and Superheroes	Shakeela Bukhari	124

"Strive to uncover the mystery before life is taken from you. If, while living, you fail to find yourself, how will you ever grasp the secret of your existence after you die?"

— Hazrat Fariduddin Attar (RA)

Vol13 Issue7 | August 2025 | Safar – Rabi-ul-Awwal 1447AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor

Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi RA

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.140/- Per issue. Annual subscription Rs.2100/- with Reg. Post (Domestic), US$ 75/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

DENTAL innovations CLINIC

Happy Smile

The secret of the Beautiful Smile

Whiter than White .....!!

Center of excellence for Braces & Dental implants

Aesthetic Dentistry
Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry
Root Canal Treatment, Crown & Bridge

Orthodontics
Fixed & Invisible Braces

General Dentistry
Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry
Pit Fissure Sealants, Root Planing

Minor Oral Surgery
Impactions, Cyst, Apicoectomy

Pediatric Dentistry
Space Maintainers, Steel Crowns

DENTAL INNOVATIONS CLINIC

Mezzanine Floor AKU Lab 26th Street
BADAR Commercial Phase V, DHA, Karachi
dentalinnovations747@gmail.com | www.dentalinnovationsclinic.com
Dental Innovations Clinic
0300-8511747 | 021-37242559 | 021-35242559

New Homes For Sale in Multan & Lahore

For More Details : +92 345 4121 910

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.

f: lavishdinerestaurant

Lavish Dine
Restaurant

www.lavishdinerestaurant.com

- Party up to 400 Persons
- Affordable Party Menus
- Buffet
- À la carte

Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

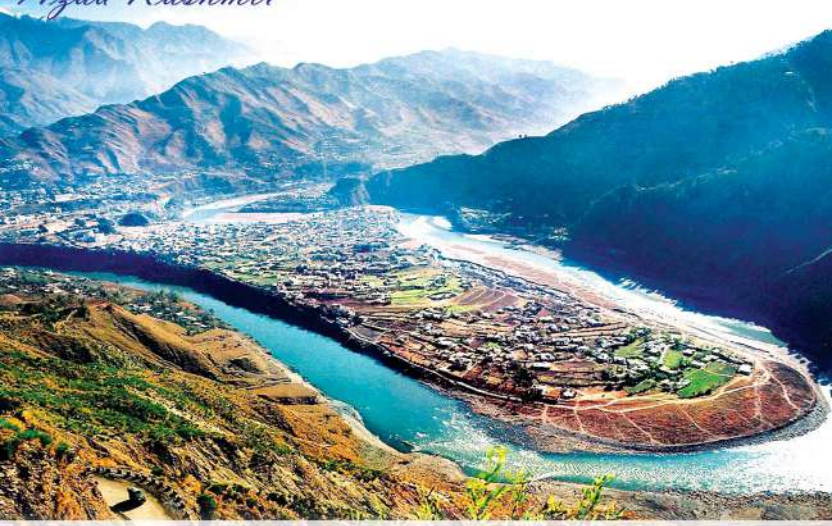

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

RED BERRY
CORPORATE SERVICES

دنیا کے بڑے کاروباری مراکز میں سے ایک

دبئی میں اپنے کاروبار کا آغاز کیجئے

کمپنی رجسٹریشن سے ویزا حصول تک
تمام مراحل کی باسہولت اور تیز رفتار تکمیل کے لئے قابل اعتماد نام

- اسٹور ویب ڈیویلپمنٹ
- امپورٹ ایکسپورٹ
- ریسٹورنٹ
- ٹریڈنگ
- ہوٹل
- ٹرانسپورٹ
- ای کامرس
- آئی ٹی سروسز
- کنسٹرکشن
- ریئل اسٹیٹ
- ٹریول اینڈ ٹورازم
- ایمیزون آن لائن

FREEZONE LICENSE PACKAGE
AED22500

PACKAGE INCLUDED

- BUSINESS LICENSE
- FLEXI DESK
- INVESTOR VISA
- EMIRATES ID
- MEDICAL REPORT
- E-CHANNEL PORTAL

RED BERRY
CORPORATE SERVICES

ہر وہ کاروبار جو آپ کی ضرورت ہے!

1408, Opal Tower, Business Bay Dubai UAE
info@redberry.ae | +971 50 931 0752
www.redberry.ae | +971 56 336 9852

/BUSINESSINDUBAI.AE/ /company/redberryae/ /red_berry_corporate/

TOYOTA

the all new

TOYOTA YARIS

DYNAMIC FRONT BUMPER & GRILL

SLEEK DAY TIME RUNNING LIGHTS

STYLISH MACHINE FACE ALLOY RIMS

RETRACTABLE SIDE VIEW MIRRORS

LUXURIOUS BLACK INTERIOR

9" FLOATING DISPLAY WITH APPLE CARPLAY & ANDROID AUTO

SHARP REAR CAMERA

3 AIR BAGS

PUSH START

STARTING FROM

4,479,000

Move your world

FOR BOOKING & DETAILS PLEASE CALL:

UAN: (022) 111 555 121 or 0348-111 9705

TOYOTA HYDERABAD MOTORS SITE, AUTO BHAN ROAD